ماهنامة

حیاتِ نو

بلریاگنج

2539

غزل

اختر جلالپوری

آج بیتاب نظر آتے ہیں ارماں کتنے
فصلِ گل لائی ہے گلشن میں تو ساماں کتنے

ہم تو خود دل کو ہیں تھامے ہوئے اپنے لیکن
اُن کی نظروں نے اٹھائے ہیں یہ طوفاں کتنے

تری اُمید پہ جینے کا صلہ کیا کہئے
زندگی سے نظر آتے ہیں پریشاں کتنے

زلفِ مشکیں یہ جوانی یہ نزاکت یہ نکھار
ساتھ میں اپنے وہ لائے ہیں گلستاں کتنے

آج بھی تیرے پرستار نظر آتے ہیں
مل گئے خاک میں لے کر غمِ دوراں کتنے

خاک چھانی ہے بہت آپ نے کیا کیا اختر
چبھ گئے پاؤں میں ہیں خارِ مغیلاں کتنے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ حیاتِ نو بلریا گنج

جلد ۱۲ | رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ فروری ۱۹۹۷ء | شمارہ ۲

بدل اشتراک

سالانہ زرتعاون	۵۰/۰۰ روپے
طلبہ کے لئے	۴۰/۰۰ روپے
خصوصی زرتعاون	۱۰۰/۰۰ روپے
اعزازی زرتعاون	۱۰۰۰/۰۰ روپے
غیر ممالک سے زرتعاون	۲۵ امریکی ڈالر
قیمت فی شمارہ	۵/۰۰ روپے

مدیر مسئول
نور محمد فلاحی

معاون
انیس احمد فلاحی

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے لہٰذا جلد سالانہ زرتعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

ترسیل زر کا پتہ
دفتر ماہنامہ مجلہ "حیاتِ نو" جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ
فون کوڈ ۰۵۴۶۶ فون ۲۵۱۵ پن کوڈ ۲۷۶۱۲۱

کتابت: محمد اشفاق عالم فلاحی

نقوشِ حیاتِ نو

صفحہ

• اداریہ

نیا تعلیمی سال اور اسکے تقاضے — انیس احمد فلاحی — ۳

• درسِ حدیث

دین و ایمان نام ہے نصیحت کا — نجمہ سراج فلاحی — ۶

• بحث و نظر

قرآن میں تقویٰ کا مفہوم — ڈاکٹر توقیر عالم فلاحی — ۱۰

روایاتِ موطا امام مالک ایک تنقیدی جائزہ — ڈاکٹر محمد سلیم — ۲۲

• شعر و نغمہ

غزلیں — اختر جلالپوری، انور ظہیری، ایم اے شمسی، جاوید بلی

• تعارف و تبصرہ

ترجمان الاسلام قاضی اطہر مبارکپوری نمبر — افتخار الحسن ندوی — ۳۰

• رپورٹ و تاثرات

روداد اجلاس عام کلیۃ البنات — نائلہ حلیمہ فلاحی — ۴۳

• جامعہ کے لیل و نہار

ذمہ داران جامعہ کا انتخاب — ادارہ — ۴۶

• روداد انجمن

مرکز دہلی یونٹ — انیس احمد فلاحی — ۴۷

اداریہ

نیا تعلیمی سال اور اسکے تقاضے

انیس احمد فلاحی مدنی

ماہ شوال کی آمد دینی مدارس و معاہد کے لئے ایک نئے تعلیمی سال کی آمد ہوتی ہے، نئے تعلیمی سال کی یہ آمد اساتذہ کرام اور مدرسین کو انکی اس ذمہ داری کو یاد دلاتی ہے جس کا انہیں اللہ رب العزت نے حامل و امین بنایا ہے۔

فریضہ تعلیم و تدریس درحقیقت انبیاء کرام کی بعثت کے بنیادی مقاصد میں سے ایک ہے جس کی ذمہ داری انبیاء کرام کے بعد اب علماء کے سر ہے اس ذمہ داری سے بحسن و خوبی عہدہ برآ ہونے کے لئے ہر مدرس دین کے لئے تین امور کا پاس و لحاظ ناگزیر ہے۔

۱۔ اعلیٰ سیرت و کردار۔ اساتذہ کرام سیرت و کردار کے اعتبار سے جتنے مضبوط ہونگے طلبہ پر اس کا اتنا ہی اچھا اثر پڑے گا۔ کیونکہ طلبہ ہر معاملہ میں اپنے اساتذہ ہی کی اقتداء کرتے ہیں اور یہ چیز انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ انکی اکثریت اصلاً عملی دلائل ہی کی زبان سمجھتی ہے عقلی دلائل تک ان کی رسائی بہت کم ہو پاتی ہے۔ نیز اگر مدرس دین بے عمل ہو تو اسکی اس بے عملی کے اثرات صرف اس کی ذات تک ہی محدود نہیں رہتے بلکہ لوگ اسکی اس بے عملی کو دین اسلام پر طعن و تشنیع کرنے کا ایک ذریعہ بنا لیتے ہیں کہ اسلام جب اپنے ہی متبعین کی اصلاح سے عاجز ہے تو غیروں کی اصلاح کیا کرے گا۔ اس لئے ہر وہ شخص جو دین کی تدریس پر مامور ہو اسکے سیرت و کردار میں دینی شعائر و تعلیمات اور تہذیب و تمدن کا پرتو پایا جانا از حد ضروری ہے تاکہ لوگوں کو اسکی بے عملی کے ذریعہ دین پر تنقید کا موقع نہ مل سکے۔

ولوانّ اھل العلم صانوہ صانھم ولو عظموہ فی النفوس لعظما
ولکن اھانوہ فھانوا ودنسوا محیاہ بالاطماع حتی تجھما

اگر اہل علم، علم کی حفاظت کریں تو علم بھی ان کا محافظ ہوتا ہے اور اگر انہیں اس کی عظمت کا پاس ولحاظ ہو تو وہ بھی انہیں عظمتوں کی خلعت عطا کرتا ہے۔

لیکن علماء نے اس کی تذلیل کر کے اس کو رسوا کر دیا اور حرص و آز کی آلائشوں سے اس کا چہرہ آلودہ کر دیا۔

۲۔ دین کی گہری بصیرت۔ مدرس دین کا اسلام کے مکمل نظام حیات کے دقیق علم کے ساتھ ساتھ معاشرہ میں رائج افکار و نظریات اور مذاہب و ادیان سے واقف ہونا بھی نہایت ضروری ہے تاکہ وہ اپنے طلبہ کے سامنے اسلام اور دیگر نظریات کا موازنہ کر کے اسلام کی حقانیت و صداقت کو دلائل کی روشنی میں ثابت کر سکے۔

اسلام کا عمیق علم اس بات کا بھی متقاضی ہے کہ استاذ کو قرآن و سنت کے نصوص ازبر ہوں تاکہ ہر مسئلہ میں اس کی گفتگو مدلل اور کتاب و سنت کے حوالہ جات سے پر ہو، کیونکہ اسلامی احکام و تعلیمات پر آیات و احادیث کے حوالہ سے خالی گفتگو غیر مؤثر ہونے کے ساتھ ساتھ طلبہ کی نگاہ میں استاذ کی اہمیت کو بھی گھٹا دیتی ہے۔

۳۔ تدریس کے اصول و مبادی سے واقفیت۔

اعلیٰ اور بہترین تعلیم کا دار و مدار، بہترین سیرت و کردار اور عمیق علم کے ساتھ ساتھ اساتذہ کرام کے تدریسی اصولوں سے واقفیت پر ہی منحصر ہے۔ اس لئے ہر مدرس کو یہ بات اپنے ذہن و دماغ میں ہمیشہ مستحضر رکھنی چاہئے کہ تعلیم کا مفہوم یہ ہے کہ نہایت شفقت و توجہ کے ساتھ ہر استعداد کے طلبہ کے لئے اس کی مشکلات کی وضاحت کی جائے۔ اس کے مقدمات

کھولے جائیں اور اس کے مضمرات بیان کئے جائیں اور اس توضیح و بیان کے بعد بھی اگر طلبہ کے ذہن میں سوالات پیدا ہوں تو ان سوالوں کے جواب دیئے جائیں مزید برآں طلبہ کی ذہنی تربیت کیلئے خود ان کے سامنے سوالات رکھے جائیں اور ان کے جوابات معلوم کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ طلبہ کے اندر فکر و تدبر کی صلاحیت اور کتاب الٰہی پر غور کرنے کی استعداد پوری طرح بیدار ہو جائے۔ یہ سادہ سی باتیں تعلیم کے ضروری اجزاء میں سے ہیں جن کا لحاظ کئے بغیر تعلیم و تدریس کا حق ادا کرنا ممکن نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ بھی اساتذہ کرام کو بحسن و خوبی انکی ذمہ داریوں کی ادائگی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بقیہ:۔ درس حدیث۔

ساتھ ہمارے اخلاص کا تقاضا ہے۔

چوتھی بات جو ارشاد فرمائی گئی وہ یہ ہے کہ عام مسلمانوں کے ساتھ بھی اخلاص کا معاملہ کیا جائے۔ عام مسلمانوں کے ساتھ اخلاص کے معاملہ کی نوعیت ان کی اپنی سماجی حیثیت سے متعین ہوگی۔ اگر کوئی مسکین و محتاج ہے تو اس کے ساتھ اخلاص کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی تیمارداری کی جائے اگر وہ طالب علم ہے تو اس کے ساتھ اخلاص کا تقاضا یہ ہے کہ طلب علم کی راہ میں اسکی ہر طرح مدد کی جائے۔ اسکی دشواریوں اور پریشانیوں کو دور کیا جائے۔ اگر وہ مزدور ہے تو اس کے ساتھ اخلاص کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اسکو پوری مزدوری دیدی جائے اگر وہ باپ ہے تو اس کے ساتھ اخلاص کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا ادب و احترام کیا جائے۔ اس سے محبت کی جائے۔ انہیں اپنے قول و فعل سے کوئی تکلیف نہ پہونچائی جائے۔ اگر وہ بچہ ہے تو اس کے ساتھ اخلاص کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی اچھی تربیت کی جائے دینی تعلیم سے اسے آراستہ کیا جائے۔

درسِ حدیث

محمد سراج فلاحی

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "الدین النصیحۃ: للہ ولرسولہ ولائمۃ المسلمین وعامتھم" (بخاری کتاب الایمان)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین وایمان نام ہے نصیحت کا، اور بس، یہ نصیحت اللہ اور اسکے رسول کیلئے بھی ہو اور ائمہ مسلمین کیلئے بھی اور تمام مسلمانوں کیلئے۔

دین کی تعلیمات واحکام زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہیں یہ تمام احکامات بنیادی اعتبار سے ایمان کے درخت سے پھوٹی ہوئی مختلف شاخیں ہیں۔ لیکن یہ شاخیں ایمان سے اپنے تعلق کے حوالے سے جداگانہ اہمیت کی حامل ہیں۔ بعض کا ایمان سے ایسا راست وقوی تعلق ہوتا ہے کہ اس کے ٹوٹ جانے سے پورا شجرِ ایمان ہی لرز اٹھتا ہے۔ بعض اپنی جامعیت ووسعت کے لحاظ سے ایسی ہمہ جہت ہوتی ہیں کہ دین وایمان کی تمام تعلیمات ہی اس سے ہم رشتہ ہوتی ہیں، اس لئے اس کے متاثر ہونے سے ایمان کی تمام شاخیں متاثر ہو جاتی ہیں، اسی لحاظ سے اس کو ایمان کا خلاصہ یا اس کا جامع سرنامہ قرار دیا جاتا ہے۔

اس حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین وایمان کا تعارف ایک ایسے ہی عمل کی تعلیم سے کرایا ہے جو ایمان کے تمام اوصاف واعمال کا سرچشمہ ہے آپؐ نے فرمایا کہ دین بس نصیحت ہی کا نام ہے۔

نصیحت دراصل "نَصَحْتُ العسلَ" سے ماخوذ ہے جب شہد کو گرم کر کے موم اور مکھی کے پروں وغیرہ سے صاف کر لیا جائے، اور اس میں کھوٹ اور دوسری اشیاء کی آمیزش نہ رہ جائے اور وہ بالکل خالص ہو جائے تو اس وقت لغت میں "نصحتُ العسل" کہا جاتا ہے یعنی شہد کو خالص بنا لیا۔ اس لحاظ سے نصیحت کے معنی اخلاص کے ہوئے۔ "دیکھئے: لسان العرب، مادہ ن ص ح" یعنی

یعنی ایسا معاملہ جو اخلاص پر مبنی ہو اور جس میں کسی طرح کی کوئی کھوٹ نہ ہو۔ اب "النصیحۃ للہ ولرسولہ" کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے جو مبنی بر اخلاص ہو اور اس میں کوئی کھوٹ قطعی نہ ہو۔ اللہ کے ساتھ مبنی بر اخلاص معاملہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا ہر معاملہ اس کے مرتبہ ومقام اور اس کی عظمت وجلال کے شایان شان ہو۔

اللہ ہمارا خالق ہے اور تنہا وہی ساری کائنات کا خالق ہے اور جب ساری دنیا اسی کی بنائی ہوئی ہے تو وہی تنہا ساری دنیا کا مالک بھی ہے اور جب وہی مالک ہے تو اس کی ملکیت میں اسی کا حکم بھی نافذ ہوگا۔ جب دنیا میں آپ کوئی گھر بناتے ہیں، تو آپ ہی اس کے مالک ہوتے ہیں کوئی دوسرا نہیں ہوتا۔ پھر آپ کی اس ملکیت میں آپ ہی کی مرضی کے مطابق تصرفات ہوتے ہیں۔ تو پھر دنیا جب اللہ نے بنائی ہے تو دنیا کا مالک اس کے سوا کوئی غیر کیونکر ہو سکتا ہے۔ پھر اس کی بنائی ہوئی اس دنیا میں اس کی مرضی کے خلاف کسی دوسرے کی حکمرانی کیونکر ہو سکتی ہے۔ پھر جب ہم اور یہ ساری دنیا اللہ کی ملکیت ہے تو اللہ کے ساتھ ہمارا معاملہ مبنی بر اخلاص اسی وقت ہو سکتا ہے، جب ہم اپنی زندگی کے سارے معاملات اسکی حاکمیت کے اصول کے مطابق انجام دیں اور کسی دوسرے کی حاکمیت یا حکمرانی و بادشاہت نہ تسلیم کریں بلکہ اللہ کی حاکمیت کے خلاف جتنی حاکمیتیں پائی جائیں ان سے بغاوت کا اعلان کر دیں اور انکی حاکمیت کو مٹا کر اللہ کی حاکمیت کا نظام قائم کرنے کی کوشش اور بھرپور کوشش کریں۔

پھر جب اللہ ہمارا حاکم ہے تو وہی ہمارا معبود بھی ہے۔ معبود ہونے کی حیثیت سے اللہ کے ساتھ ہمارا معاملہ مبنی براخلاص اس وقت ہوگا جب ہم اس کی کبریائی کے سوا کسی دوسرے کی نیازمندی میں ناسیہ نہ جھکائیں۔ نہ اس کے سوا کسی سے دعا مانگیں، نہ اس کے سوا کسی اور کو مصیبتوں میں پکاریں۔ نہ اس کے سوا کسی سے نفع ونقصان کی امید لگائیں۔

پھر اللہ ہمارا رب بھی ہے۔ اس نے ہم کو صرف پیدا کرکے نہیں چھوڑ دیا بلکہ زندگی کی ہر منزل میں جس چیز کی مناسب ضرورت ہمیں درپیش ہوتا اس نے اس کا اہتمام فرما دیا۔ اور ہر ہر لمحہ اس کی ربوبیت کے طفیل ہم زندگی کی نعمتوں سے شاد کام ہوتے رہتے ہیں۔ اس لحاظ سے ہمارا معاملہ اللہ کے ساتھ مبنی براخلاص اس وقت ہوگا کہ ہم صرف اس کے شکر گزار نہیں۔ اور ایسے شکر گزار نہیں کہ ہماری پوری زندگی شکر وسپاس کا مرقع بن جائے۔ ہم ایک لمحہ کیلئے بھی اللہ کی یاد سے غافل نہ ہوں۔ جب ہماری زندگی کا کوئی لمحہ اس کی رحمت وانعام سے خالی نہیں ہے تو پھر ہمارے دل وزبان کو بھی اسکے شکر وسپاس سے ایک لمحہ کیلئے غافل نہیں ہونا چاہئے۔ اور ہردم ہر آن اللہ کی حمد وثنا اور اس کے نام کا ذکر وردِ زبان رکھنا چاہئے۔ حدیث میں آیا ہے کہ "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ کل احیانہ" یعنی اللہ کے رسولؐ ہر لمحہ اللہ کی یاد اور اس کے ذکر میں رطب اللسان رہتے

اسی طرح رسولؐ کے لئے ہمارا معاملہ مبنی براخلاص اس وقت ہوگا جب ہمارا ہر معاملہ ان کے شایان شان ہو۔

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

رسولؐ کو ہم نے اپنے لئے اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر تسلیم کیا ہے تو ہمیں اپنی زندگی کے ہر معاملے کی رہنمائی صرف اور صرف رسول اللہ کی سنت اور آپ

کے اسوۂ حسنہ سے ہی حاصل کرنی ہوگی۔ کسی مسلمان کیلئے یہ ہرگز درست نہیں ہوسکتا کہ وہ اپنی سیاست وحکومت، تہذیب وتمدن، معاشرت واخلاق اور تجارت وعدالت کے اصول سنت کے علاوہ کہیں اور سے حاصل کرے اور کوئی مسلمان کسی دنیاوی لیڈر، یا فلاسفر کے پیچھے بھاگتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ رسول کو افضل البشر نہیں مانتا۔ حالانکہ دنیا کے سارے حکما، فضلا، عقلا، کو ایک طرف کھڑا کردیا جائے تو بخدا دنیا کے سارے علما، وبلغاء، وفضلاء اور عقلاء وحکماء، رسولؐ کے مقابلے میں کسی پہلو سے بھی کم تر وحقیر تر نظر آئیں گے اسی لئے ہم کو سب سے زیادہ اللہ اور اسکے رسولؐ سے محبت ہونی چاہئے کہ ان سے زیادہ ہم پر نہ کسی کا احسان ہے۔ نہ ان سے زیادہ کوئی اس دنیا میں باکمال ہے

تیسری بات حدیث میں یہ کہی گئی کہ ہمارا معاملہ ائمہ مسلمین کے ساتھ بھی مبنی براخلاص ہو۔

ائمہ مسلمین وہ لوگ ہیں جو اللہ کی حاکمیت کے نظام کو دنیا میں نافذ کرنے کے ذمے دار ہیں کھلی ہوئی بات ہے کہ جو اللہ اور اسکے رسول کے لئے مخلص ہوگا۔ وہ ہر اس شخص کے لئے بھی مخلص ہوگا۔ جو اللہ ورسول کے پسندیدہ دین ونظام کو نافذ کرنیکی مہم اپنے ہاتھ میں لے۔ اس اخلاص کا راست تقاضا ہے کہ ائمہ مسلمین کی اطاعت کو فرض سمجھا جائے اور کوئی ایسا معاملہ نہ کیا جائے جس سے ان کے منصوبۂ اقامت دین میں خلل پیدا ہو۔

اسی طرح وہ لوگ بھی ائمہ مسلمین ہی کے زمرے میں شمار ہونگے جو مسلمانوں کے کسی اجتماعی معاملے کے ذمہ دار ہوں۔ جیسے کسی بڑے یا چھوٹے دینی ادارے کا سربراہ بھی چونکہ اقامت دین کی ہی کوشش کا ایک نقیب ہے۔ اس لئے یہاں بھی سربراہ کے ساتھ مبنی براخلاص معاملہ یہ ہوگا کہ ہم معروف میں کی اطاعت کریں اور منکر پر اسکی شدید وسخت گرفت بھی کریں۔ کہ یہی اللہ کے

بقیہ صفحہ پر

قرآن میں تقویٰ کا مفہوم

ڈاکٹر توقیر عالم فلاحی
لکچرر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

دین و دنیا کی تقسیم کی بنیاد پر انسانی معاشرہ بیشمار مصائب و مشکلات کی آماجگاہ میں اکثر رہتا ہے اس تقسیم کی بنیاد پر ایک انسان کی زندگی شب و روز کے کچھ اوقات میں مرضی الٰہی کے تابع قرار پاتی ہے اور کچھ اوقات میں خواہشات نفس کی اسیر بن جاتی ہے۔ قیصر کا حق قیصر کو اور خدا کا حق خدا کو" کے نظریہ کو اسلام میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ خدائی فرمان کی روشنی میں انسان کی زندگی کا ہر ہر لمحہ عبادت الٰہی میں گذرنا چاہیئے۔ اسکی تخلیق ہی اطاعت و عبادت کیلئے عمل میں آئی ہے (۱)

یہی وجہ ہے کہ دن کی روشنی میں بھی، رات کی تاریکی میں بھی، مسجد میں بھی اور گھر کی چہار دیواری میں بھی کسی مخصوص گوشے اور ناچیے میں بھی اور چوراہے یا شاہراہ پر بھی مکاتب و دفاتر میں بھی اور بازار و کچہری میں بھی گویا کہ ہر شعبۂ زندگی اور ہر خطۂ ارض میں انسان سے عبادت کا مطالبہ ہوتا ہے۔ عبادت دراصل رضائے الٰہی کے حصول کی کوشش کا نام ہے اور یہی وہ بیش قیمت سرمایہ ہے جسکے حصول کی جد وجہد کے ذریعہ انسانیت کی تخلیق کی منشاء الٰہی جامۂ عمل پہنتی ہے۔

اپنے آپ کو تمام شعبہ ہائے زندگی میں مرضی الٰہی کے تابع کرنے اور حقیقی فوز و فلاح کی لذت سے سرشار ہونے کا اصل سرمایہ تقویٰ ہے۔ فی الحقیقت ایک مومن و مسلم کے نزدیک یہ دنیا دار العمل ہے۔ قرآن کی زبان میں یہ دنیا متاع غرور ہے (۲) اور رسالت مآب صلعم کی زبان میں ایک مومن صالح کیلئے قید و قفس ہے (۳) اس لئے کہ اصل منزل آخرت کی منزل ہے۔ ایک انسان کو زوال پذیر زندگی

کے بعد ابدی اور مستقل زندگی سے سابقہ پیش آنا ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر متاع دنیا کے سامان لذائذ میں شغل و انہماک اور اس کے حصول کی جستجو و تڑپ واقعی دھوکے کا سودا ہے قرآن پاک نے خوشنودی رب کے حصول اور اس کے نتیجے میں جہنم کے بھڑکتے ہوئے شعلوں سے نجات پانی کو فوز عظیم سے تعبیر کیا ہے (۴) اسی فوز عظیم کی تحصیل قرآن پاک کا اصل موضوع ہے۔ پائیدار اور ابدی زندگی کے حصول کا ذریعہ تقویٰ یا خشیت الٰہی ہے چنانچہ ایمان و ایقان کی نعمت سے سرشار ہونے والوں کو تلقین کی جاتی ہے۔

یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ ولتنظر نفس ما قدمت لغد واتقوا اللہ (۵)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر نفس کو اس کے لئے فکرمند ہونا چاہیئے کہ کل کے واسطے اس نے کیا بھیج رکھا ہے۔

ایک جگہ تقویٰ کو اصل منزل (آخرت) کا زاد راہ قرار دیا گیا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے۔ وتزودوا فان خیر الزاد التقوی (۶)

اور زاد راہ لے لو کہ بے شک سب سے بہتر زاد راہ تقویٰ ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

ولباس التقوی ذالک خیر (۷)

اور پرہیزگاری کا لباس سب سے اچھا ہے۔

مذکورہ بالا آیات کریمہ میں ایمان و اسلام کے مقدس حصار میں زندگی گذارنے والوں کو یہ پیغام گوش گذار کرایا گیا کہ ایک مومن کی سعی و جہد کا اصل مرکز و محور آخرت ہے اور اسی زندگی کے لئے ہر نفس کو فکرمند ہونا چاہیئے۔ تقویٰ سے متعلق مذکورہ بالا پہلی آیت میں اہل ایمان کو خشیت الٰہی کے زیور سے آراستہ ہونے کی تلقین کی گئی اور آخرت کی فکرمندی کی تعلیم کے بعد پھر تاکیدی فرمان جاری کیا گیا کہ دراصل دنیائے لافانی کی فکر و جستجو اسی وقت پائیدار اور بار آور ہو سکتی ہے

جب کہ دل و دماغ پر خدائے واحد کی حکمرانی قبول کر لی جائے۔

حکومت کا قانون یا پولیس کا ڈنڈا لوگوں کی دسترس میں ہیں، سڑکوں اور چوراہوں پر تو کارگر ہو سکتا ہے اور انسانوں کے جسموں پر تو یہ حکمرانی کر سکتے ہیں لیکن رات کی تاریکی میں گھر کی چار دیواری میں آبادی سے دور کسی جنگل یا ویرانے میں حکومت کا قانون یا پولیس کا ڈنڈا بے اثر ہوتا ہے اور دلوں کی دنیا پر حکمرانی بہرحال نہیں ہو سکتی۔ خشیت الٰہی یا خوف خداوندی ہی وہ سرمایۂ حیات اور اصل ضابطہ و حکمران ہے جس کی حکمرانی سے انسان کے شب و روز روشن اور منور ہو جاتے ہیں۔ شب تاریک ہو یا تنہائی کے اوقات یا بزم و رزم، خدا کا خوف اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ سیئات و منکرات سے نفرت و بغاوت کرتے ہوئے خیرات و حسنات سے اپنے جیب و دامن کو پر کرے۔

دنیا میں غلط کاریوں سے بچنے اور آخرت میں عذاب الٰہی سے نجات پانے کا واحد راستہ یہی ہے کہ خدا کی اطاعت و عبدیت کا تاج اپنے سروں پر رکھا جائے اور یہی تقویٰ ہے۔ قرآن پاک تقویٰ کی حقیقت یوں بیان کرتا ہے:

یا ایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون (۸)

اے لوگو! اپنے رب کی بندگی کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

ہر معاملۂ زندگی میں خالق کائنات کی عبدیت ہی تقویٰ ہے عبادت سے اس کا مفہوم یہ قطعی نہیں ہے کہ آدمی ماں باپ، بیوی بچوں اور گھر بار کو تیاگ کر دن رات نماز و تلاوت میں مشغول رہے اور دوسرے نوافل کے اہتمام میں اپنے آپ کو لگائے رکھے بلکہ قرآن کی نگاہ میں دنیا اور اہل دنیا سے کنارہ کشی اللہ تعالیٰ کے ان احکام و فرامین سے انحراف و بغاوت کے مترادف ہے جو والدین کی اطاعت و فرماں برداری، بچوں کی پرورش و پرداخت، اعزہ و اقربا، اور دوسرے بندگان خدا کے حقوق کی ادائیگی

سے متعلق ہیں (۹)۔ تقویٰ صرف اسی سے عبارت نہیں ہے کہ اللہ کے احکام و قوانین کا اتباع کیا جائے بلکہ قرآن کی زبان میں حدود اللہ کے قریب پھٹکنا بھی تقویٰ کی شان کے برعکس اور متضاد ہے۔ سورۃ البقرہ میں اللہ کے احکام و قوانین بڑی تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ روزے کے احکام صراحت سے بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے۔

تلک حدود اللہ فلا تقربوھا کذلک یبین اللہ آیاتہ للناس لعلھم یتقون (۱۰)

یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں سو ان کے نزدیک نہ جاؤ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں لوگوں کیلئے بیان فرماتا ہے تاکہ وہ پرہیزگار ہو جائیں۔ اس فرمان مقدس کے تحت ایک مسلم الثبوت اور ممتاز مفسر قرآن کی یہ صراحت قابل ذکر ہے۔

"یہ نہیں فرمایا کہ ان حدوں سے تجاوز نہ کرنا، بلکہ یہ فرمایا کہ ان کے قریب نہ پھٹکنا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس مقام سے معصیت کی حد شروع ہوتی ہے عین اسی مقام کے آخری کناروں پر گھومتے رہنا آدمی کیلئے خطرناک ہے سلامتی اسی میں ہے کہ آدمی سرحد سے دور ہی رہے تاکہ بھولے سے بھی قدم اس کے پار نہ چلا جائے" (۱۱)

مال و اولاد کی کثرت کو اللہ کی محبوبیت کا معیار قرار دینا ایمان و تقویٰ کے منافی ہے یہ طرز فکر مادہ پرستانہ یا مشرکانہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبول اسلام کے نتیجے میں سعادت و کامرانی کی ضمانت دے رہے تھے تو مشرکین مکہ زعم باطل میں بدمست ہوتے ہوئے طعنہ دیتے تھے کہ اگر قبول اسلام کے نتیجے میں سعادت و کامرانی مل سکتی تھی تو اس کے اصل مستحق تم اور تمہارے اصحاب تھے، لیکن زمانہ شاہد ہے کہ تم اور تمہارے رفقا ظلم و ستم کی چکیوں میں پس رہے ہیں اور ہم تو مال و اولاد کی نعمت سے بہرہ ور ہیں۔

نحن اکثر اموالا و اولادا وما نحن بمعذبین (۱۲)

ہم لوگ مال واولاد کے اعتبار سے بڑھے ہوتے ہیں اور ہم لوگوں کو عذاب نہیں دیا جائے گا۔

مشرکین مکہ کے اس زعم باطل پر ضرب لگائی گئی اور فرمایا گیا کہ مال واولاد کی کثرت وفراخی دراصل حب الٰہی کی سند نہیں ہے بلکہ تقویٰ یا خوف خدا ہی وہ بیش قیمت دولت ہے جس سے متمتع ہونے کے بعد ہی اللہ کی محبوبیت کا پروانہ ملتا ہے۔ قرآن کا بیان سنیے۔

مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (۱۳)

جو کوئی اپنا عہد وپیمان پورا کرے اور پرہیزگاری اختیار کرے تو یقیں پرہیزگار اللہ کو محبوب ہیں

ایک جگہ فرمایا گیا کہ بخشش الٰہی اور حصول جنت کے مستحق وہ لوگ ہیں جو تقویٰ کی شاہراہ پر گامزن رہتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ (۱۴)

اور دوڑو اپنے رب کی بخشش اور جنت کی طرف جس کی وسعت زمین و آسمان ہیں اور جو اہل تقویٰ کیلئے تیار کی گئی ہے۔

قرآن پاک میں متعدد مقامات پر متقیوں کی جو صفات مذکور ہیں وہ دو حصوں پر مشتمل ہیں ایک کو نظریاتی یا فکری صفات سے تعبیر کیا جاتا ہے اور دوسرے کو عملی اوصاف سے۔ ذیل میں تقویٰ کے چند اوصاف ومظاہر کو بیان کیا جاتا ہے

ایمان بالغیب تقویٰ کا وہ اولین وصف ہے جسے قرآن پاک میں متعدد مقامات پر مختلف پیرایۂ گفتگو میں واضح کیا گیا ہے۔ اس وصف سے مزین ہوکر ایک انسان توحید، رسالت اور آخرت کے تمام متعلقات ومشتملات پر ایمان رکھتا ہے۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ غیب کے بعض امور ومعاملات میں عقل حیران رہ جاتی ہے لیکن ایک شخص بنیادی عقائد اور غیب کے بعض دوسرے

معاملات ومسائل کے کلیات وجزئیات سے محض اس لئے انکار وانحراف نہیں کرسکتا کہ اس کی عقل بعض حقائق کے ادراک سے قاصر ہوتی ہے بلکہ غیب کی تمام باتوں پر وہ آمنّا وصدّقنا کہتا ہے (۱۵) یہ وہ بنیادی یا اصل الاصول وصف ہے جسے تقویٰ کا اولین فکری مظہر بھی کہا جاسکتا ہے۔

تقویٰ کے عملی اوصاف ومظاہر میں اقامت صلوٰۃ کو اول حیثیت حاصل ہے۔ اسلام کی بنیاد جن پانچ ستونوں پر قائم ہے ان میں اول توحید ہے اور یہ فکری ستون ہے۔ کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کے انقلابی بولوں کی ادائیگی کے بعد ہی ایک شخص مسلمان نہیں ہوجاتا جب تک کہ چار دیگر عملی ستونوں کو اپنی زندگی میں نافذ نہ کرے۔ نماز وہ اولین عملی مظہر ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ کلمۂ لا الٰہ پر ایمان رکھتا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ قرآن کریم میں نماز پڑھنے کا نہیں بلکہ نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اقامت صلوٰۃ، تمام مصروفیات کو نظر انداز کرکے وقت پر مسجد جانے، اہتمام سے وضو کرنے، تمام ارکان کو خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرنے کے علاوہ اہل وعیال کو نماز کے لئے آمادہ کرنے اور پورے معاشرے میں نماز کا ماحول پیدا کر دینے سے عبارت ہے۔ چونکہ اسلام نظریاتی سے زیادہ عملی مذہب ہے اس لئے یہ حلقۂ اسلام میں شمولیت کا اول عملی مظہر ہے اس لئے بھی اقامت صلوٰۃ کو تقویٰ کے مظاہر میں نمایاں ترین مقام حاصل ہے جس کے بارے میں قرآن پاک میں سیکڑوں مقامات پر ارشادات وارد ہوتے ہیں (۱۶)

انفاق فی سبیل اللہ۔ یہ تقویٰ کا دوسرا عملی مظہر ہے۔ اسلام ایثار وقربانی کا مذہب ہے۔ غلبۂ دین کی خاطر جہاں ایمان وایقان اور اقامت صلوٰۃ قابل ذکر ہیں وہاں انفاق فی سبیل اللہ بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے مقدمۂ کتاب میں ہی متقیوں کے اس وصف کا تذکرہ کردیا ہے کہ وہ

اللہ کی عنایتوں اور نوازشوں میں سے اللہ کی راہ میں مال و زر خرچ کرتے ہیں[۱۷] اس عمل خیر کے ذریعہ ایک بندہ اپنے مال کا متعین حصہ محروم القسمت افراد کے لئے مخصوص کر دیتا ہے[۱۸] اور اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ دنیا اور اسباب دنیا اسے اللہ کی یاد اور اس کے خوف و خشیت سے غافل نہیں کر سکتے اور نہ ہی وہ خسران سے دوچار ہو سکتا ہے جس کی تعلیم اہل ایمان کو ان مقدس الفاظ میں دی گئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ۔ (۱۹)

اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں اور جو کوئی ایسا کرے وہی لوگ ٹوٹے میں ہیں۔

مزید برآں اللہ کے دین کو غالب کرنے کیلئے روحانی قوت کے علاوہ بسا اوقات مادی اسباب و وسائل کی بھی ضرورت پڑتی ہے[۲۰] اس لئے ہر دو پہلوؤں سے اہل ایمان کو انفاق فی سبیل اللہ کی تلقین کی گئی۔ یہ تقاضہ تمام اہل ایمان سے ہوتا ہے لیکن جو لوگ تقویٰ کی شاہراہ پر گامزن ہوتے ہیں خوشحالی و فارغ البالی ہو یا فلاکت و تنگ دستی وہ ہر نرم و گرم اور خشک و تر حالات میں انفاق فی سبیل اللہ کا دامن ہاتھوں سے چھوٹنے نہیں دیتے[۲۱] اور احسان کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے مرضی مولا کے خواہاں بنے رہتے ہیں۔

تقویٰ کا تیسرا عظیم عملی مظہر ہے تضرع و خاکساری۔ اسلام میں تکبر اور غرور کو بہت ہی معیوب و معتوب قرار دیا گیا ہے[۲۲] بلکہ یہ ایسا گناہ ہے جو ساری نیکیوں کو کھا جاتا ہے۔ اس عمل میں ایک انسان کسی بھی قابل قدر اور مستحسن نتیجے کو اپنی کد و کاوش کا حاصل قرار دیتا ہے اور دوسرے بندگان خدا کو حقارت بھری نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ تقویٰ کے زیور سے آراستگی کے بعد چونکہ ایک بندہ خدا

کے قلب و ضمیر پر خدائے واحد کی حکمرانی ہوتی ہے اور یہ حقیقت اس کے دل و دماغ پر چھائی رہتی ہے کہ قادر مطلق وہی ذات ہے وہ جن اوصاف کا بھی مالک ہے ان کا سرچشمہ ذات باری تعالیٰ ہے اس لئے تمام قسم کی تعریفوں کا مستحق واحد رب [illegible]ت ہے[۲۳] ایک بندۂ مومن کا دل حب خدا کی یاد اور اس کے خوف و خشیت اور رضا و رغبت کا نشیمن بن جاتا ہے تو وہ کسی بھی عمل حسن اور تعمیر خیر پر اتراتا نہیں ہے بلکہ زبان حال اور زبان قال دونوں ہی الحمدللہ کی تسبیح سے تر رہتے ہیں۔ سورۃ الفرقان میں عباد الرحمٰن کی متعدد خصوصیات بتائی گئی ہیں جن میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ انہیں تکبر کی ہوا تک نہیں لگتی۔ فرمایا گیا:

وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا (۲۴)

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرم چال چلتے ہیں۔

اپنی تمام تر خصوصیات کے باوجود شکر و سپاس کے جذبے سے معمور ہوتے ہیں اور وہ اس درخت کے مانند جھکے ہوتے ہیں جو پھلوں سے لدا ہوا۔ اس سمندر کی سی کیفیت ان پر طاری ہوتی ہے جو اپنی گیرائی و گہرائی کے باوجود خاموشی کے ساتھ اپنے فیض عام سے دنیا کو شاداب کرتا رہتا ہے۔ انکی حرکت و عمل کی ترجمانی اس شعر سے ہوتی ہے۔

کہہ رہا ہے شور دریا سے سمندر کا سکوت
جس میں جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے

فرائض و واجبات کے ساتھ سنن و نوافل کا اہتمام ایک بندۂ مومن کی فوز و فلاح کا یقیناً ایک مجملاً قابل قدر سرمایہ ہے لیکن رات کی تنہائیوں میں سربسجود ہونے کے باوجود جہنم کے دہکتے ہوئے شعلوں سے نجات پانے کی فکر انہیں مستغنی و بے نیاز نہیں بناتی اور وہ بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہوتے ہیں۔ قرآن میں اللہ کے ان مخلص بندوں کی تصویر کشی ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا ۝ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا

عذابِ جہنم (۲۴)

اور جو لوگ اپنے رب کے آگے سجدے اور قیام کی حالت میں رات کاٹتے ہیں اور وہ لوگ کہتے ہیں اے رب! ہم سے جہنم کا عذاب دور کر۔

سورۃ الذاریات میں متقیوں کی صفت بتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ (۲۵)

وہ لوگ رات کو تھوڑا ہی سوتے ہیں اور سحر کے اوقات میں اپنی مغفرت چاہتے ہیں۔

زندگیاں گر تقویٰ کی صفت سے آراستہ ہو جائیں تو اس کے نتیجے میں رضائے الٰہی اور مغفرت الٰہی کا سرمایہ ہاتھ آتا ہے۔ یقیناً اصل اور پائیدار زندگی آخرت کی ہی زندگی ہے اور اس لازوال زندگی کی مسرتیں اور شادمانیاں ہی بندۂ مومن کی معراج ہیں تقویٰ کی روش پر چلنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں مغفرت الٰہی اور جنت کی ضمانت دی ہے۔ قرآن پاک کا یہ بیان ملاحظہ فرمائیں۔

أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا (۲۶)

انکی جزا ان کے رب کی بخشش اور وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

ایک جگہ اللہ تعالیٰ کامیابی کی ضمانت ان الفاظ میں دیتا ہے۔

ومن يطع الله ورسوله ويخش الله ويتقه هم الفائزون (۲۷)

چونکہ دنیا اور سامان دنیا مومن کیلئے کوئی شجر ممنوعہ نہیں ہے۔ بلکہ تقویٰ جیسی صفت کے حاملین کیلئے دنیا بھی فائض ہے جو اگرچہ وقتی اور زوال آشنا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی دعاؤں میں دونوں جہان کی سعادت و کامرانی کا طلب گار ہوتا ہے۔

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (۲۸)

اے ہمارے آقا! ہمیں دنیا میں بھی خیر دے اور آخرت میں بھی اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔

حاملین تقویٰ کو اخروی فیوض و برکات تو حاصل ہوتی ہی ہیں اس لئے کہ انکی سعی و عمل کا خاص محور وہی زندگی ہوتی ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ دنیوی برکات سے محروم نہیں رہتے اور اللہ کی نوازشیں ایسے ایسے طریقوں سے ان کا استقبال کرتی ہیں کہ انکے حاشیہ خیال میں بھی نہیں ہوتا اہل تقویٰ کیلئے اللہ تعالیٰ کی نوازش کا بیان سنیئے۔

ومن يتق الله يجعل له مخرجا ويرزقه من حيث لا يحتسب (۲۹)

اور جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کیلئے کوئی سبیل نکال دیتا ہے اور اس کو اس جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے اسے خیال بھی نہیں ہوتا۔

بعثت رسل کی غرض کی تذکیر کراتے ہوئے اہل تقویٰ کے دنیوی انعام و اکرام کا تذکرہ ایک جگہ یوں کیا جاتا ہے۔

ولو ان اهل القرى امنوا واتقوا لفتحنا عليهم بركت من السماء والارض (۳۰)

اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتوں کا دروازہ کھول دیتے۔

ایک جگہ انبیاء و رسل اور ان کے اہل ایمان ساتھیوں کی خدائی تائید و نصرت کی یقین دہانی قرآن پاک ان مقدس الفاظ میں کرتا ہے: انا لننصر رسلنا والذين امنوا معه في الحياة الدنيا۔ بلاشبہ ہم اپنے رسولوں اور انکے اہل ایمان ساتھیوں کی دنیاوی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کی یہ یقین دہانیاں صرف نظریاتی اور فکری دائرے تک ہی محدود نہیں بلکہ دنیا نے یہ دیکھا ہے کہ جب صدر اول کے مسلمانوں نے ایمان و تقویٰ کو اپنی زندگیوں کا ضابطہ و محور بنا کر قرآن و سنت سے حقیقی عشق کا نمونہ پیش کیا تو اس کے نتیجے میں انہیں اس عالم فانی میں ہی رضاء الٰہی کے حصول کی سند مل گئی اور فتح مکہ جیسی شاندار کامیابی ملی جس کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں

ملتی۔ قیصر و کسریٰ جیسی وقت کی عظیم قوتوں نے ان کے قدموں کے بوسے دیئے اور تمام شعبہ ہائے زندگی میں بے مثل انقلاب برپا ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ اگر ذکرِ الٰہی کو ہمہ وقت سرمایۂ حیات مان لیا جائے تو اللہ ذوالجلال کی معیت نصیب ہوتی ہے۔ اور یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی سنت ثابتہ ہے جس میں سرِمو بھی تغیر و تبدل کا امکان نہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ اعلان قیامت تک کیلئے ہے۔

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا (۳۲)

اللہ کی سنت میں تم ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے اور نہ ہی اس کی سنت میں کوئی ہیر پھیر پاؤ گے۔

اس عالم آب و گل میں انسان کی تخلیق عبادت و اطاعت کی غرض سے عمل میں آئی ہے۔ عبادت کا جامع مفہوم یہی ہے کہ تمام شعبہ ہائے زندگی میں اور ہر خطۂ ارض میں مرضیٔ مولا کو پیش نظر رکھ کر سعی و عمل اختیار کیا جائے۔ دنیا ایک مومن کے لئے دار العمل ضرور ہے۔ لیکن اس سے مادہ فرار ایمان و اسلام کے منافی ہے اور حقیقی حقیقت ہے کہ یہ دنیا اور لذّت دنیا زوال آشنا ہیں۔ اصل اور قطعی زندگی آخرت کی زندگی ہے اور اسی زندگی کی شادکامیوں کے حصول کی کوشش اصل سرمایہ ہے۔ اس حقیقت کے باوجود اس زندگی میں بھی سعادت و کامرانی بندۂ مومن پر اللہ کا انعام و اکرام ہے۔ اس جہان فانی میں اللہ کی نوازشوں کا مستحق بننے کیلئے اور اپنے آپ کو آخرت کی سرمدی کامیابی سے ہمکنار کرنے کیلئے تقویٰ قرآن کی زبان میں بہترین زادِ راہ ہے۔ ایمان بالغیب، اقامت صلوٰۃ، انفاق فی سبیل اللہ اور تضرع و خاکساری کے علاوہ غصے پر قابو رکھنا، فقراء و مساکین کے لئے اپنے مال میں حق قرار دینا، عفو و درگذر کا طریقہ اختیار کرنا اور اپنی غلطیوں پر اصرار نہ کرنا، یہ سب تقویٰ کے مظاہر ہیں جو ایمان و ایقان کے چشمۂ صافی سے پھوٹتے ہیں اور احسان و تقویٰ کے شجر طیب پر برگ و بار لاتے ہیں۔

حوالہ جات

(۱) الذاریات: ۵۶ (۲) فاطر: ۵ (۳) مسند احمد ج ۲ ص ۱۹۰ (۴) الصّف
۲۰۶ (۵) الحشر: ۱۸ (مزید ملاحظہ ہو آل عمران: ۱۰۲، المائدہ: ۲، ۳۵، ۹۹، ۱۱۲) (۶)
البقرۃ: ۱۹۷ (۷) الاعراف: ۲۶ (۸) البقرۃ: ۲۱ (۹) النساء: ۳۶ (۱۰)
البقرۃ: ۱۸۷ (۱۱) ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن ج ۱ ص ۱۳۷، ۲۲ واں ایڈیشن
۱۹۸۳ء مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی (۱۲) سبا: ۳۵ (۱۳) آل عمران: ۷۶ (۱۴) آل عمران
۱۳۲ (۱۵) البقرۃ: ۳ (۱۶) البقرۃ: ۲۳ (۱۷) النساء: ۷۷، الانعام: ۳۲، یونس:
۸۴/النحل: ۵۹ وغیرہ (۱۸) البقرۃ: ۳ (۱۸) الذاریات: ۱۹ (۱۹) المنافقون: ۹
(۲۰) الانفال: ۶۰ (۲۱) آل عمران: ۱۳۴ (۲۲) الفاتحہ: ۲ (۲۳) الفرقان
۶۳ (۲۴) الفرقان: ۶۴، ۶۵ (۲۵) الذاریات: ۱۸، ۱۷ (۲۶) آل عمران ۱۳۶
(۲۷) النور: ۵۲ (۲۸) البقرۃ: ۲۰۱ (۲۹) الطلاق: ۲، ۳ (۳۰) الاعراف: ۹۶
(۳۱) الغافر: ۵ (۳۲) فاطر: ۴۳ (۳۳) العنکبوت: ۶۴

غزل

انور ظہیری

مکر و فریب بغض سے محروم ہو کریں
پیش آئیں جو بھی اچھے عمل شرعیہ کریں

آؤ یہ طے کریں کہ ملیں گے خلوص سے
بغض و حسد کا آج ہی سے خاتمہ کریں

پتھر لئے ہوئے ہیں سبھی لوگ شہر کے
ایسے میں کس کے سامنے ہم آئینہ دھریں

اردو غزل کو جس نے نیا رخ عطا کیا
اُس میر کے مزار پہ ہم فاتحہ کریں

انور میں فنِ شعر میں ہو جاؤں باکمال
ارباب علم و فن مرے حق میں دعا کریں

روایات موطا امام مالک

ایک تنقیدی مطالعہ

ڈاکٹر محمد سلیم
لکچرر شعبہ دینیات سنی
علیگڑھ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

دوسری صدی ہجری میں حدیث کی باضابطہ تدوین کے نتیجہ میں جو کتب وجود میں آئیں ان میں موطا امام مالک حدیث کی پہلی کتاب ہے۔ تمام کتب حدیث میں موطا کو اصل اول کا مقام حاصل ہے جبکہ امام بخاری کی الجامع الصحیح اس باب میں اصل ثانی کی حیثیت رکھتی ہے۔ حدیث کی دوسری مشہور کتابیں جیسے صحیح مسلم اور جامع ترمذی وغیرہ ان دونوں کتابوں کو بنیاد بنا کر تالیف کی گئی ہیں۔

موطا توطئۃ کا مفعول ہے اس کے لغوی معنی روندنے، نرم کرنے اور آسان کرنے کے ہیں اور موطا کے معنی روندا ہوا، نرم کیا ہوا، اور آسان بنایا ہوا ہے۔

موطا کے مجازی معنی ایسے راستے کے ہیں جس پر صحابہ، تابعین اور اکابر امت چلے ہوں۔ یعنی ایسی کتاب جس سے تمام علماء نے اتفاق کیا ہو۔ چنانچہ امام مالک سے منقول ہے کہ انہوں نے کتاب لکھنے کے بعد اسے مدینہ کے ستر فقہاء کے سامنے پیش کیا تمام ائمہ نے اس سے اتفاق کیا۔ اس کے بعد امام مالک نے اس کتاب کا نام موطا رکھا؎

امام مالک پہلے محدث ہیں جنہوں نے اپنی کتاب کا نام موطا رکھا ان سے قبل ائمہ حدیث میں کسی نے بھی اپنی کتاب کا نام موطا نہیں رکھا، اس زمانے میں جو کتابیں تالیف ہوئیں ان میں کسی نے اپنی کتاب کا نام جامع کسی نے مصنف اور کسی نے مؤلف رکھا؎

امام مالک سے قبل اور آپ کے زمانے میں بھی صحابہ اور تابعین کے اقوال اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث جمع کی جا رہی تھیں۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں مدینہ میں عبد العزیز بن ابو سلمہ الماجشون نے موطا کے معنوں میں ایک کتاب لکھی اس میں ان چیزوں کو جمع کیا جن پر اہل مدینہ کا اجماع تھا۔ امام مالک نے اسے دیکھا تو اس پر نقد کیا اور فرمایا کہ اچھی کتاب بنائی ہے لیکن اگر میں لکھتا تو آثار و احادیث سے شروع کرتا اور پھر کلام کی درستی کی طرف متوجہ ہوتا؎ چنانچہ اس کے بعد امام مالک نے کتاب لکھنے کا قصد کیا اور موطا تالیف کی۔

موطا لکھنے کی فرمائش خلیفہ ابو جعفر منصور نے بھی کی تھی چنانچہ حافظ ابن عبد البر نے بیان کیا کہ امام مالک نے فرمایا کہ جب خلیفہ ابو جعفر منصور حج کو آئے تو مجھے بلوایا میں گیا اور ملاقات کی۔ خلیفہ نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ ایک کتاب تالیف کر دیں جس کے نسخے میں مختلف شہروں میں بھجوا دوں اور وہاں کے لوگوں کو حکم دوں کہ وہ اسی کتاب کے مطابق عمل کریں؎

اسی سلسلہ کی ایک دوسری روایت میں ہے جسے امام زرقانی نے نقل کیا کہ خلیفہ نے امام مالک سے کہا کہ ایسی کتاب تالیف فرمائیں جو ابن عمر کی سختیوں، ابن عباس کی رخصتوں اور ابن مسعود کے شواذ سے خالی ہو، اس میں اوسط امور درج کریں اور وہ چیزیں جن پر صحابہ اور ائمہ کا اتفاق ہو؎

اس کتاب سے خلیفہ کا مقصد یہ تھا کہ تمام ریاستوں میں فیصلوں کی وحدت ہو اور ایک فقہ اور ایک اصول کے تحت فیصلے ہوں۔ کیونکہ ابو جعفر کے زمانے میں فقہاء میں اختلاف کی خلیج بہت بڑھ گئی تھی ایک ہی مسئلہ میں مختلف شہروں میں مختلف قسم کے فیصلے ہوتے تھے۔ اس زمانے میں فقہ کے دو اسکول خاص طور پر بہت مشہور تھے۔ ایک عراق اور دوسرے حجاز۔ ان میں آپس میں بہت سے امور میں اختلاف بھی پایا جاتا تھا۔ لہٰذا خلیفہ، جو مدنی علم کی

طرف رجحان رکھتا تھا اور خود اسے اس کا علم بھی تھا۔ دوسرے یہ کہ اہل عراق اس کی تنقید بھی کیا کرتے تھے جس کی بنیاد پر وہ انہیں فطری طور پر ناپسند کرتا تھا، امام مالک سے درخواست کی کہ وہ ان کیلئے ایک ایسا قانون عام بنا دیں کہ تمام جج اور قاضی اسی کی بنیاد پر فیصلہ کریں۔ لیکن امام مالک نے فرمایا کہ یہ مصلحت کے خلاف ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ مختلف شہروں میں پھیل گئے ہیں اور ہر ایک نے اپنے شہر میں اپنے علم کے مطابق فتویٰ دیا اور لوگوں نے انکی رائے پر عمل کیا اور ان سے روایات بھی نقل کیں۔ ایسی صورت میں انہیں ایک مسلک سے ہٹا کر کسی دوسرے مسلک پر چلانا معمولی بات نہیں لہٰذا لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیں اور انہیں اسی مسلک پر رہنے دیں جس پر وہ عمل کر رہے ہیں۔[1]

ابوجعفر کے بعد دوسرے خلفاء، مہدی اور رشید نے بھی امام مالک سے ایسی ہی خواہش کا اظہار کیا لیکن امام مالک نے انہیں بھی منع کر دیا لیکن موطا کی تدوین اسی زمانے کے حالات کا تقاضا تھا۔ خلیفہ کی طلب بھی اسی سلسلہ کی کڑی تھی چنانچہ امام مالک نے اپنے ضمیر کی آواز کے مطابق یا کر قبول کیا اور موطا مدون کی۔ مگر امام مالک موطا کو ابوجعفر کے زمانے میں مکمل نہ کر سکے موطا ۱۵۹ھ کے اطراف میں مدون ہوئی اس وقت منصور کا انتقال ہو چکا تھا۔ امام مالک نے اسکی تدوین میں کوئی عجلت نہ دکھائی ابوجعفر نے اسکی فرمائش ۱۴۸ھ میں کی تھی اور موطا تقریباً گیارہ سال بعد ۱۵۹ھ میں تالیف ہوئی۔ تحریر بھی دستی ہے اور امام مالک اپنی زندگی تک اس میں ترمیم کرتے رہے۔

جس وقت آپ موطا کی تالیف سے فارغ ہوئے اس وقت مدینہ کے دوسرے علماء نے بھی اسی طرح کے مجموعے لکھے۔ لوگوں نے امام مالک سے بیان کیا کہ اسی طرح کے نسخے دوسرے علماء نے بھی لکھے ہیں۔ تو آپ نے کہا کہ مجھے دکھاؤ۔ جب آپ نے دیکھا تو فرمایا کہ صرف اخلاص و حسن نیت ہی کو بقا ہے۔[1] چنانچہ امام مالک کی یہ بات صحیح ثابت ہوئی۔ اس عہد میں جو موطائیں لکھی گئیں آج ان میں کوئی بھی موطا موجود نہیں اور نہ ہی اس زمانے کی کوئی دوسری کتاب

اتنی زیادہ مقبول و متداول ہوئی۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ موطا امام مالک حدیث کی پہلی کتاب ہے اسے مصنف نے جس طرح لکھا آج بھی وہ اسی طرح بنا اصل حالت میں موجود ہے۔[1]

امام مالک نے موطا میں حدیثوں کو غایت درجہ جانچ پرکھ کے بعد جمع کیا ایسے بہت سے لوگ جو اگرچہ اہل صلاح اور پرہیزگار تھے اور فضل و بزرگی میں بھی بہت مشہور تھے۔ لیکن معیار پر پورے نہ اترنے کی وجہ سے امام مالک ان کی حدیثوں کو قبول کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔ چنانچہ امام مالک سے منقول ہے کہ

ادرکت بھذہ البلدة اقواما واستقی بھم المطر سقوا قد سمعوا العلم والحدیث کثیرا ما حدثت عن احد منھم شیئا لانھم کانوا الزموا انفسھم خوف اللہ وھذا الشان یعنی الحدیث والفتیا یحتاج الی رجل معہ تقی وورع وصیانة واتقان وعلم وفھم فیعلم ما یخرج من راسہ ویصل الیہ فاما رجل بلا اتقان ولا معرفة فلا ینتفع بہ ولا ھو حجة ولا یوخذ عنہ[1]

"میں نے اس شہر میں ایسے لوگ دیکھے ہیں اگر وہ پانی برسنے کی دعا کرتے تو پانی برس جاتا۔ ان کے پاس حدیثوں کا اچھا خاصا ذخیرہ تھا لیکن میں نے ان سے کچھ بھی نہیں لیا۔ ان کے پاس صرف خوف خدا تھا۔ لیکن حدیث بیان کرنے اور فتویٰ دینے کی فضیلت اس شخص کی ہے جو متقی و پرہیزگار، دیانتدار، علم و سمجھ اور دانائی کے ساتھ یہ بھی جانتا ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کس سے نقل کر رہا ہے۔ لیکن ایسا شخص جسے حدیث میں معرفت اور تیقن حاصل نہ ہو وہ حدیث بیان کرنے کے قابل نہیں۔"

لہٰذا امام مالک نے بہت سے متقی اور پرہیزگاروں سے روایات

قبول نہیں کیں اس لئے کہ وہ ان کے معیار پر پورے نہیں اترتے تھے
انہوں نے ایسے راویوں کی صفات بھی بیان کیں جن سے روایت قبول
کی جاسکتی ہے اور جن سے نہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں انہوں نے فرمایا

لا یوخذ العلم من اربعة و یوخذ ممن سواھم، لا یوخذ
من سفیہ، ولا یوخذ من صاحب ھوی یدعو الی بدعتہ ولا من
کذاب یکذب فی احادیث الناس وان کان لا یتھم علی حدیث
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا من شیخ لہ فضل وصلاح وعبادۃ
اذا کان لا یعرف ما یحمل وما یحدث بہ ؎

(علم (حدیث) چار لوگوں سے نہ لیا جائے اور ان کے سوا دوسروں
سے لیا جائے۔ بیوقوف سے، صاحب ہوس سے جو بدعت کی طرف بلاتا ہو
جھوٹے سے جو لوگوں سے باتوں میں جھوٹ بولتا ہو اگرچہ اس شخص پر رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے سلسلے میں جھوٹ بولنے کا الزام نہ لگایا
گیا ہو۔ صاحب فضیلت وصلاح اور عبادت والے بزرگ سے جو یہ نہ
جانتا ہو کہ اس کے پاس کس اہمیت کا علم ہے اور وہ کیا بیان کر رہا ہے۔)

امام مالک ان شرائط کے مطابق رجال کی تحقیق میں سخت قسم کے
پابند تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ یہ علم دین ہے لہٰذا دیکھو اسے کس سے حاصل
کر رہے ہو ؎۔ اسی لئے وہ اکثر لوگوں کی روایتوں کو رد کر دیتے تھے اس
گمان پر کہ مذکورہ شرائط ان میں نہیں پائی جاتیں یا پوری نہیں اترتیں۔ بعض مرتبہ
آپ شہر کے علماء کی روایات کو بھی قبول کرنے سے انکار کر دیتے تھے
چنانچہ حافظ ابن عبدالبر نے امام مالک سے نقل کیا انہوں نے فرمایا۔

لقد ادرکت سبعین ممن یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم عند ھذہ الاساطین واشار الی مسجد رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم فما أخذت عنھم شیئا وان احدھم لو اؤتمن علی
بیت مال لکان أمینا إلا أنھم لم یکونوا من أھل ھذا الشان ؎

(مسجد نبوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام مالک نے فرمایا کہ میں نے
ان ستونوں کے پاس ستر عالموں کو قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کہتے ہوئے (یعنی حدیث بیان کرتے ہوئے) پایا لیکن میں نے ان سے
کچھ بھی نہیں لیا اگر ان میں کسی کو بیت المال کا امین بنا دیا جاتا تو امین ثابت
ہوتے مگر یہ لوگ اس شان کے نہیں تھے کہ حدیث بیان کریں۔)

اسی طرح ایک مرتبہ امام مالک سے کہا گیا کہ آپ اہل عراق کی حدیثیں
کیوں نہیں قبول کرتے تو فرمایا اس لئے کہ جب وہ ہمارے شہر میں آتے ہیں
تو میں دیکھتا ہوں کہ غیر ثقہ سے بھی روایات قبول کرتے ہیں تو میں نے سوچا کہ
یہی حال ان کے شہر میں بھی ہوگا ؎

امام مالک کسی راوی میں قبول حدیث کی تمام شرطیں موجود ہونے
کی صورت میں حدیث قبول کرنے کے بعد بھی اس کی بے انتہا تحقیق کیا کرتے
تھے۔ وہ ان روایات کے متن کو قرآن وسنت سے حاصل کئے گئے مشہور
قواعد سے موازنہ کرکے دیکھتے اور اس بات کی تحقیق کرتے کہ ان کے زمانے
میں لوگوں نے اس سے اتفاق کیا یا نہیں اہل مدینہ کا عمل اس کے مطابق ہے
یا نہیں۔ اگر ان میں کسی میں بھی وہ حدیث شاذ ونادر ہوتی تو اسے رد کر دیتے تھے۔
یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض مرتبہ آپ احادیث کو شرائط پوری
ہونے پر قبول کر لیتے تھے اور انہیں مدون بھی کر لیتے تھے لیکن فتویٰ اس
کے خلاف دیتے تھے۔ جس کی وجہ اس حدیث میں پوشیدہ کوئی عیب ہوتا یا
وہ حدیث شاذ ہوتی یا اس طرح کی اور کوئی وجہ ہوتی جس کے معلوم ہونے پر
اس روایت کو ترک کر دیتے تھے۔ چنانچہ ابن حزم نے بیان کیا کہ موطا میں

ستر روایات ایسی ہیں جن پر امام مالک کا عمل نہیں تھا[12]۔ ان روایات کو امام مالک نے اولاً نقل کیا لیکن بعد میں ان میں کوئی ضعف نظر آیا تو ان پر عمل ترک کر دیا۔ بلکہ بعض مرتبہ محض شک کی بنیاد پر روایت کو متروک کر دیتے تھے چنانچہ امام شافعی نے فرمایا کہ امام مالک کو جب حدیث کے کسی حصہ میں شک ہو جاتا تو پوری حدیث ہی کو رد کر دیتے تھے[13]۔

قبول حدیث کی تمام شرائط میں امام مالک عمل اہل مدینہ کو خاص طور پر اہمیت دیتے تھے چنانچہ محمد ابو زہو لکھتے ہیں۔

فاشترط الامام مالک فی قبول خبر الواحد ان لا یعمل علی خلافہ الجمهور والجم الغفیر من اهل المدینة[14]

(خبر واحد کی قبولیت کیلئے امام مالک نے یہ شرط رکھی کہ وہ جم غفیر اور جمہور اہل مدینہ کے عمل کے خلاف نہ ہو)

امام مالک علماء مدینہ کے اجماع کو حجت مانتے ہیں۔ اگر خبر واحد اور عمل اہل مدینہ میں کوئی تعارض پیش آتا ہے تو خبر واحد کے مقابلے میں اہل مدینہ کے عمل کو ترجیح دیتے ہیں انکا کہنا تھا کہ اہل مدینہ کا عمل جو ہمیں وراثت میں ملا ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار ہیں جو خبر واحد کے مقابلہ میں زیادہ باوثوق طریقے سے ہم تک پہونچے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ابو اللیث کے نام رسالہ میں عمل اہل مدینہ کو خبر واحد پر مقدم رکھنے کو جائز قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ لوگ اہل مدینہ کا اتباع کرتے ہیں۔ مدینہ کی طرف ہجرت ہوئی اور مدینہ ہی میں قرآن نازل ہوا۔ یہیں اللہ نے حلال کو حلال کیا اور حرام کو حرام۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سامنے تھے اور وحی و قرآن ان کے سامنے نازل ہوتے تھے۔ حضور حکم دیتے تھے اور صحابہ اس پر عمل کرتے تھے۔ آپ انہیں سکھاتے تھے وہ اس کا تتبع کرتے تھے یہاں تک کہ حضور کی وفات

ہوئی اور آپ کے بعد امت میں ایسے صاحب امر (یعنی ابو بکر، عمر و عثمان جیسے لوگ) ہوئے جن کی لوگوں نے اتباع کی۔ پھر تابعین بھی ان کے بعد اسی مسلک پر چلے اور انہیں سنتوں کی پیروی کرتے رہے۔ مدینہ میں جو بات ظاہر و باہر تھی اس پر کسی کو اختلاف کرتے ہم نے نہیں پایا تو اس سے الگ ہونا اور اس کے خلاف ہونا جائز نہیں[15]۔

اسی بنیاد پر امام مالک عمل اہل مدینہ سے تعارض کی صورت میں خبر واحد[16] کو رد کر دیتے تھے۔ ان کے نزدیک اہل مدینہ کی روایت مشہور سنت کی حیثیت رکھتی ہے اور چونکہ مشہور سنت خبر واحد پر ہمیشہ مقدم ہوتی ہے اس لئے امام مالک خبر واحد پر عمل اہل مدینہ کو مقدم رکھتے تھے[17]۔

عمل اہل مدینہ کو خبر واحد پر مقدم رکھنے میں اگرچہ امام مالک بہت مشہور ہوئے لیکن وہ خود اس مسلک کے ایجاد کرنے والے نہیں۔ بلکہ آپ سے پہلے تابعین اور اہل علم بھی اس مسلک کو اختیار کر چکے تھے اور آپ کے زمانے میں بھی لوگ اسی مسلک پر عمل کر رہے تھے۔ چنانچہ امام مالک کے شیخ ربیعہ بھی خبر واحد پر عمل اہل مدینہ کو مقدم رکھتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ہزار ہزار سے نقل کریں یہ بہتر ہے کہ ایک ایک سے نقل کرے[18] (یعنی خبر واحد کے مقابلہ میں عمل زیادہ بہتر ہے)

اسی طرح محمد بن ابو بکر اور عمرو بن حزم جو مدینہ میں قاضی تھے ان کے بہت سے فیصلے خبر واحد کے خلاف اور عمل اہل مدینہ کے مطابق ہوتے تھے۔ چنانچہ امام مالک نے فرمایا کہ میں نے محمد بن ابو بکر اور عمرو بن حزم کو دیکھا وہ قاضی بھی تھے۔ ان کے بھائی عبد اللہ کے پاس بہت سی احادیث تھیں۔ اور ثقہ راوی تھے لیکن امام محمد جب کسی قضیہ کا فیصلہ کرتے اور وہ حدیث کے خلاف ہوتا تو ان کے بھائی عبد اللہ ان سے کہتے کہ یہ فیصلہ حدیث کے خلاف

ہے۔ تو محمد کہتے۔ ہاں لیکن اہل مدینہ کے صلحاء کا عمل اس سے قوی تر ہے[۲۵]

لیکن اس مسلک میں دوسروں کے بالمقابل امام مالک اتنا مشہور ہوئے کہ یہ منہاج بھی انہیں کی طرف منسوب ہو گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ بہت زیادہ فتوے دیئے۔ دوسرے یہ کہ انہوں نے خود ہی بہت سی حدیثوں کو نقل کیا لیکن فتویٰ دیتے وقت ان حدیثوں کی مخالفت کی۔

موطا کو امام مالک سے سن کر بہت سے لوگوں نے اپنے اپنے نسخے لکھے۔ لیکن جو نسخے پائے جاتے ہیں ان میں ۱۶ بہت مشہور ہیں۔ ان ۱۶ میں یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر المخزومی (۲۳۱ھ) ابو مصعب احمد بن ابو بکر (۲۴۲ھ) عبداللہ بن وہب (۱۹۷ھ) اور یحییٰ بن یحییٰ بن کثیر المصمودی (۲۳۴ھ) کے چار نسخے بہت مشہور ہیں۔ ان میں موخر الذکر المصمودی[۲۶] کا نسخہ سب سے زیادہ مشہور و متداول ہے۔ چنانچہ مطلق طور پر موطا سے المصمودی ہی کا نسخہ مراد ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ موطا کا دوسرا نسخہ بھی رائج ہے جو موطا محمد بن حسن الشیبانی کے نام سے مشہور ہے۔ جس کی روایات مقدار میں یحییٰ المصمودی کے نسخے کی روایات سے کم ہیں۔ ان دونوں میں صحت کے لحاظ سے بعض نے موطا بروایت محمد کو ترجیح دی ہے لیکن اکثر نے موطا بروایت یحییٰ المصمودی کو ترجیح دی ہے۔ لیکن ان دونوں کی روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے دونوں کی اصل ایک ہے۔ دونوں کی امام مالک کی طرف نسبت صحیح ہے۔

موطا بروایت المصمودی میں کل ۱۷۲۰ روایات ہیں جن میں ۶۰۰ مرفوع، ۲۲۲ مرسل، ۶۱۳ موقوف اور ۲۸۵ تابعین کے اقوال و فتاویٰ ہیں۔

موطا کے دوسرے نسخوں میں روایات کی تعداد بیان کرنے میں ائمہ نے بہت اختلاف کیا ہے مثلاً ابن الحباب نے بیان کیا کہ امام مالک نے ایک لاکھ حدیثیں جمع کیں ان میں موطا کیلئے دس ہزار حدیثیں منتخب کیں پھر برابر انکی کاٹ چھانٹ کرتے رہے یہاں تک کہ اس میں صرف ۵۰۰ حدیثیں باقی رہ گئیں۔[۲۷]

اسی طرح الکیا ہراسی نے روایتوں کی تعداد ۷۰۰ سلیمان بن بلال نے ایک ہزار سے اوپر ابن حزم نے ۸۷۰ سے کچھ زائد بیان کی ہے[۲۸]

مختلف نسخوں کی روایات میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ امام مالک نے موطا کیلئے دس ہزار روایات منتخب کیں پھر ہر سال انکی تنقیح و تہذیب کرتے رہے اور انہیں آثار و اخبار پر رکھ کر پرکھتے رہے اور ان کے شاگرد ہر سال موطا سنتے اور لکھتے رہے اس لئے موطا کے نسخوں میں روایات کی کمی وبیشی اور تقدیم و تاخیر کا فرق پایا جاتا ہے۔ سب سے زیادہ اختلاف یحییٰ اور ان سے بھی زیادہ ابو مصعب کے نسخے میں پایا جاتا ہے۔ ابن حزم نے ابو مصعب کے نسخے کے بارے میں فرمایا کہ اس میں سو روایات دوسرے تمام نسخوں کی موطا سے زیادہ ہیں[۲۹]

امام مالک نے مدینہ ہی میں رہ کر موطا کی تالیف فرمائی۔ آپ نے کبھی حج بیت اللہ کے علاوہ کوئی سفر نہیں کیا۔ موسم حج اور غیر موسم حج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے زائرین جوق در جوق مدینہ آتے تھے اور امام مالک ان سے مل کر ان کے ملک کے رسم و رواج ان کے حالات اور انکے اخلاقیات اور تہذیب و تمدن سے واقفیت حاصل کرتے اور موطا کے لئے مواد فراہم کرتے۔ بعض مرتبہ ان سے حدیث بھی قبول کرتے تھے امام مالک نے موطا میں جن شیوخ سے روایات نقل کیں ان کی تعداد ۹۵ ہے

ان میں سوائے چھ کے تمام راویوں کا تعلق مدینہ سے ہے۔ ان چھ لوگوں میں ابوالزبیر کا تعلق مکہ سے، حمید الطویل اور ابوایوب سختیانی کا تعلق بصرہ سے، عطا بن عبداللہ کا تعلق خراسان سے، عبدالکریم کا تعلق جزیرہ سے اور ابن عبلہ کا تعلق شام سے ہے۔ لیکن امام مالک نے سب سے زیادہ روایات حضرت نافع مولیٰ عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کی ہیں۔ حضرت نافع حدیث اور روایت حدیث کے شیخ تھے۔ آپ جب تک حیات رہے تقریباً ۱۲ سال تک امام مالک ان کے درس میں شریک ہوتے رہے۔ چنانچہ موطا میں بکثرت روایات حضرت نافع ہی سے منقول ہیں۔ محدثین اس سند کو اصح الاسانید اور سلسلۃ الذہب کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ امام بخاری سے اصح الاسانید کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

مالک عن نافع عن ابن عمر[36]

اس طرح سند: الزھری عن سالم عن ابن عمر، امام احمد بن حنبل اور اسحٰق بن راہویہ کے نزدیک اصح الاسانید ہے[37]

امام ابوداؤد نے فرمایا کہ موطا کی سب سے زیادہ صحیح سندیں وہ ہیں جیسے امام مالک نے نافع سے بواسطہ ابن عمر اور زہری سے بواسطہ سالم روایت کی ہے۔ امام مالک کے سوا ان سندوں کا کسی نے ذکر نہیں کیا[38]

موطا لکھنے سے امام مالک کی غرض ان حدیثوں کو جمع کرنا نہیں تھا جو ان کے نزدیک صحیح تھیں جیسا کہ امام مالک کے بعد کتب صحاح لکھی گئیں۔ بلکہ موطا لکھنے کا مقصد مدنی فقہ کو جمع کرنا تھا اور ان باتوں کو جمع کرنا تھا جن پر اہل مدینہ کا اجماع تھا۔ اسی لئے انہوں نے موطا میں اسناد کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی۔ جس کی وجہ سے موطا میں تقریباً دو تہائی روایات مرسل (جن کی اسناد میں صحابی کا ذکر نہیں)، منقطع (جس میں صحابی کے بعد کے طبقہ کا ذکر نہیں) اور بلاغات

ہیں جنکی سند ہی نہیں بیان کی۔ ان روایات کو امام مالک نے "بلغنی" اور "عن الثقۃ" کہہ کر بیان کیا ہے۔ موطا میں ایسی روایات ۶۱ ہیں۔ امام مالک نے اگرچہ انکی اسناد نہیں بیان کی لیکن دوسرے محدثین کے یہاں یہ تمام روایات متصل ہیں مگر صرف چار روایات ایسی ہیں جن کی اسناد کسی محدث کے یہاں نہیں پائی جاتیں۔ چنانچہ امام زرقانی لکھتے ہیں:

ما من مرسل فی الموطا الا وله عاضد او عواضد فالصواب اطلاق الموطا صحیح لا یستثنی منه شیئ وقد صنف ابن عبدالبر کتابا فی وصل ما فی الموطا من المرسل والمنقطع والمعضل قال وجمیع ما فیه من قوله بلغنی ومن قوله عن الثقة عندی مما لم یسنده احد وغیرها كلها مسندة من غیر طریق مالک الا اربعة[39]

(موطا میں کوئی روایت مرسل نہیں ہے مگر یہ کہ اسکی مددگار اور دوسری معاون حدیث موجود ہے لہٰذا یہ صحیح ہے کہ موطا صحیح ہے اور اس میں کوئی مستثنیٰ نہیں ہے۔ ابن عبدالبر نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں موطا میں جتنی مرسل منقطع اور معضل روایات ہیں انکی سند پہونچائی ہے اور کہا ہے کہ جس قدر اس میں امام مالک نے "بلغنی" اور "عن الثقۃ" کہکر روایت بیان کی ہے اور ان کی سند نہیں بیان کی وہ ۶۱ ہیں جن میں سوائے چار کے تمام کی تمام روایات امام مالک کے علاوہ دوسرے طرق سے مسند ہیں۔)

امام مالک نے مرسل روایات قبول کرنے میں اپنے معاصر ائمہ کا مسلک اختیار کیا ہے۔ ان کے زمانے میں حسن بصری، سفیان بن عیینہ، امام ابوحنیفہ اور دیگر ائمہ حدیث مرسل روایت کو قبول کرتے تھے۔ چنانچہ حسن بصری فرماتے ہیں۔

اذا اجتمع اربعة من الصحابة علی حدیث ارسلته ارسالا۔[40]

، جب صحابہ میں ۴ کسی حدیث پر جمع ہو جائیں تو میں اسے مرسل کہتا ہوں۔ حسن بصری ہی سے مروی ہے وہ کہتے تھے کہ جب میں تم سے کہوں کہ مجھ سے بیان کیا فلاں نے تو وہ حدیث ہے اور کچھ نہیں اور جب میں کہوں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو میں نے اسے ۷ یا اس سے زیادہ لوگوں سے سنا ہے[۳۰]

امام ابو حنیفہ جو روایت قبول کرنے میں بہت سخت ہیں مرسل حدیث کو قابل احتجاج سمجھتے تھے[۳۱]

اس طرح دوسری صدی ہجری کے اختتام تک کے تمام ائمہ متفقہ طور پر مرسل روایت کو قبول کرتے تھے۔ چنانچہ حافظ بلقینی نے فرمایا:

ان التابعین اجمعوا بأسرهم علی قبول المراسیل ولم یأت عنهم انکاره ولا عن احد من الائمة بعدهم الی راس المئتین[۳۲]

(تمام تابعین متفقہ طور پر مرسل روایات کو قبول کرتے تھے۔ تابعین اور ان کے بعد دوسری صدی ہجری تک ائمہ میں سے کسی کی طرف سے مراسیل قبول کرنے سے انکار ثابت نہیں۔)

امام شافعی (۲۰۴ھ) ائمہ ومحدثین میں پہلے امام ہیں جنہوں نے مرسل روایت کو ناقابل احتجاج قرار دیا[۳۳]۔ کیونکہ اس زمانے میں موضوع روایات کثیر تعداد میں پھیلائی جا چکی تھیں محدثین نے ان روایات کی چھان بین کے لئے فن جرح وتعدیل اور علم اسماء رجال کی ایجاد کی اور التزام اسناد کو ضروری قرار دیا اس کے بعد سے مرسل روایت کو ضعیف کی قسم میں شمار کیا جانے لگا اور تمام محدثین کا اس سے ترک احتجاج پر اتفاق ہو گیا۔

لیکن دوسری صدی کے اختتام سے پہلے پہلے تمام ائمہ ومحدثین مرسل روایات کو قبول کرتے تھے اور اسے قابل احتجاج سمجھتے تھے چنانچہ امام مالک

نے بھی ایسی روایات کو قبول کیا اور انہیں قابل احتجاج سمجھا۔ لیکن امام مالک ہر مرسل روایت کو قابل احتجاج نہیں سمجھتے تھے اور نہ ارسال کو علی الاطلاق جائز سمجھتے تھے بلکہ قبول روایت میں راوی کا خیال رکھتے تھے۔ اگر راوی ثقہ ہے اور قبول حدیث کی اس میں تمام شرطیں پائی جاتیں تو امام مالک اس سے سند بھی قبول کرتے اور مرسل اور بلاغات بھی قبول کرتے تھے اور اگر راوی میں قبول حدیث کی شرطیں نہ پائی جاتیں تو اس سے کچھ بھی قبول نہیں کرتے۔

موطا کی بنیاد ثلاثیات پر ہے۔ اسمیں ۴۲ ثلاثیات بھی ہیں یعنی جنکی اسناد صرف دو واسطوں سے اپنے منتہیٰ تک پہونچتی ہیں۔ کتب حدیث میں اس کتاب کا مقام طبقہ اولیٰ کی کتابوں میں ہوتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے کتب حدیث کے پانچ طبقات بیان کئے ہیں ان میں موطا کو طبقہ اولیٰ میں رکھا ہے اور اسے تمام کتابوں میں سب سے افضل اور مقدم بتایا ہے[۳۵]

امام شافعی نے اس کتاب کی صحت کے بارے میں فرمایا کہ کتاب اللہ کے بعد روئے زمین پر موطا سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں[۳۶]

ابن الاثیر اور مغربی علماء نے اسے کتب ستہ میں بھی شامل کیا ہے[۳۷]

موطا کی بہت سی روایات اگرچہ سنداً مرسل، منقطع اور بلاغات پر مشتمل ہیں لیکن متناً اس کی تمام روایات صحیح ہیں آج تک کسی بھی محدث نے موطا کی ایک بھی روایت کو موضوع نہیں کہا جبکہ کتب ستہ کی بہت سی روایات پر ابن جوزی اور حافظ عراقی وغیرہ نے تنقید کی ہے اور ان کی بعض روایات کو موضوع بھی قرار دیا ہے۔ لیکن موطا ایسی روایات سے پاک وصاف ہے روایتی نقطہ نظر سے موطا کی روایات تمام کتب حدیث میں سب سے افضل اور اعلیٰ ہیں۔

حواشی وحوالجات

۱؎ جلال الدین سیوطی، تنویر الحوالک، مقدمہ، مصر (ب س) ۱، علامہ سیوطی نے فرمایا: الموطا هو الأصل الأول واللباب وكتاب البخاری هو الأصل الثانی فی هذا الباب وعليهما بنی الجميع كمسلم والترمذی۔

۲؎ عبدالعزیز محدث دہلوی، بستان المحدثین فی تذکرة الکتب والحدیث والمحدثین ۱۸/، کراچی ۱۳۳۲ھ۔

۳؎ محمد الزرقانی، شرح الزرقانی علی صحیح الموطا ۸/، مصر (ب س)، ۴؎ حوالہ سابق

۵؎ حافظ ابن عبدالبر، الانتقاء فی فضائل الثلاثة الائمة الفقہاء ۴۲/، مصر ۱۳۵۰ھ

۶؎ شرح الزرقانی ۸/ ۷؎ الانتقاء ۴۱/، شرح الزرقانی ۸/ ۸؎ محمد ابو زہرہ، مالک حیاتہ وعصرہ آراؤہ وفقہہ ۲۱۲/، قاہرہ ۱۹۶۳ء، شرح الزرقانی ۸/ مدت تالیف کے سلسلے میں امام زرقانی نے ایک دوسری روایت بھی نقل کی ہے جس سے علوم ہوتا ہے کہ موطا چالیس سال میں لکھی گئی چنانچہ امام زرقانی لکھتے ہیں: اخرج ابن عبدالبر عن عمر بن عبد الواحد صاحب الاوزاعی قال عرضنا علی مالك الموطا فی اربعين يوما فقال كتاب الفته فی اربعين سنة اخذتموه فی اربعين يوما (شرح الزرقانی ۸/) (ابن عبدالبر نے عبدالواحد، صاحب اوزاعی، سے نقل کیا انہوں نے فرمایا کہ ہم نے امام مالک سے موطا چالیس دن میں پڑھی تو آپ نے فرمایا جس کتاب کو میں نے چالیس سال میں لکھا اسے تم نے چالیس دن میں پڑھ لیا۔)

آپ کا یہ قول اواخر عمر کا ہے آپ کی وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی اور موطا آپ نے خلیفہ ابوجعفر منصور کی درخواست کے بعد ۱۴۸ھ میں لکھنی شروع کی اصل کتاب ۱۱ سال ۱۵۹ھ میں تیار ہو چکی تھی لیکن اس کی تہذیب و تنقیح میں اپنی وفات تک لگے رہے اس لحاظ سے کتاب لکھنے کی ابتدا سے لیکر وفات تک چالیس ہی سال ہوتے ہیں۔

۹؎ شرح الزرقانی ۸/۔ اس عہد میں ابن ماجشون کے علاوہ تین اور موطاؤں کا ذکر ملتا

ہے جیسے (۱) موطا ابراہیم بن محمد الاسلمی (۱۸۴ھ) موطا عبداللہ بن وہب الفہری (۱۹۷ھ) اور موطا عبدالرحمن بن ابو ذئب (۱۵۸ھ)

۱۰؎ کتب حدیث میں سب سے پہلی تالیف عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج (۱۴۹ھ) کی ہے پھر ربیع بن صبیح (۱۶۰ھ) کی تصنیف ہے اس کے بعد موطا امام مالک ہے۔

۱۱؎ مالک ۲۱۵/ ۱۲؎ الانتقاء ۱۶/ ۱۳؎ مالک ۲۱۶/ ۱۴؎ الانتقاء ۱۹/ ۱۵؎ مالک ۲۶/

۱۶؎ جلال الدین سیوطی، تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی ۱۱/۱، پاکستان ۱۳۷۹ھ

۱۷؎ الانتقاء ۲۳/ ۱۸؎ محمد محمد ابو زہو، الحدیث والمحدثون ۲۸۱/، مصر ۱۳۷۸ھ ۱۹؎ مالک ۱۱۶/

۲۰؎ حوالہ مذکور ۲۱؎ حوالہ سابق ۲۲؎ یحییٰ بن یحییٰ اللیثی الاندلسی المصمودی (۲۳۴ھ) امام مالک کے شاگرد ہیں۔ قرطبہ میں امام مالک کے تلمیذ ابو عبداللہ زیاد بن عبدالرحمن بن زیاد درس دیتے تھے۔ یحییٰ نے اولاً پوری موطا انہیں سے پڑھی۔ اس کے بعد امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مگر یحییٰ امام مالک سے پوری موطا نہ پڑھ سکے اسی سال امام مالک کا انتقال ہو گیا۔ اسی لئے یحییٰ کے نسخے میں تمام احادیث "حدثنا مالک" سے مروی ہیں لیکن باب خروج المعتکف الی العید، باب قضاء الاعتکاف، باب النکاح فی الاعتکاف میں "حدثنا زیاد عن مالک" ہے یعنی ایک واسطہ زیادہ ہے۔ ۲۳؎ شرح الزرقانی ۸/

۲۴؎ شرح الزرقانی ۸/، تدریب الراوی ۱۱/۱ ۲۵؎ تدریب الراوی ۱۱/۱ ۲۶؎ شمس الدین الذہبی، تذکرة الحفاظ ۲۰۸/۱، حیدرآباد ۱۹۵۵ء ۲۷؎ ابن صلاح الدین، مقدمہ ۸۲/، مطبع دارالکتب مصر ۱۹۷۲ء ۲۸؎ مالک ۲۸۴/ ۲۹؎ شرح الزرقانی ۹/ ۳۰؎ مالک ۹۶/ ۳۱؎ حوالہ سابق

۳۲؎ مقدمہ ابن صلاح ۱۴۱/ ۳۳؎ سراج الدین البلقینی، محاسن الاصطلاح ۱۴۱/، مصر ۱۹۷۴ء

۳۴؎ مقدمہ ابن صلاح ۱۳۶/۔ لیکن امام شافعی کبار تابعین کی مرسلات کو قبول کرتے تھے اگر ان کی تائید دوسری حدیث سے ہو جاتی تھی جیسے مراسیل سعید بن مسیب، امام شافعی کے نزدیک قابل احتجاج تھیں۔

۳۵؎ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حجة اللہ البالغہ ۱۳۳/۱، دیوبند (ب س) ۳۶؎ تذکرة الحفاظ ۲۰۱/۱

۳۷؎ شمس الدین محمد السخاوی، فتح المغیث ۴۳/، مطبع انوار محمدی ۱۳۰۳ھ۔ لیکن جمہور علماء نے موطا کو کتب ستہ میں شامل نہیں کیا تاہم متقدمین کی کتب میں اسے ضرور شامل کیا ہے۔

مولانا اشتیاق الحسن ندوی مظاہری

تعارف وتبصرہ

ترجمان الاسلام قاضی اطہر مبارکپوری نمبر

مرتبین: اسیر ادروی، ابوالقاسم نعمانی

تقطیع خورد صفحات: ۱۴۰ کاغذ وکتابت وطباعت: عمدہ

قیمت سالانہ: ۶۰/روپے

جامعہ اسلامیہ مدنپورہ، بنارس کا شمار بنارس کی معتبر درسگاہوں میں ہوتا ہے اس کا تعلیمی وتربیتی معیار بھی بلند اور لائق تحسین ہے۔ ترجمان الاسلام اسی کا آرگن ہے۔ جس کا اکتوبر تا مارچ ۱۹۹۷ء کا شمارہ "مورخ اسلام" قاضی اطہر مبارکپوری نمبر ہے۔ ویسے تو یہ نمبر قاضی صاحب کے نام سے ہی منسوب ومخصوص کیا گیا ہے لیکن اسکے ساتھ ایک فکر انگیز تحریر مفتی محمود الحسنؒ سے متعلق ہے جو آپ کے مجاز خلیفہ مولانا ابوالقاسم نے سپرد قلم کی ہے۔ یہ مضمون اگرچہ ایک عقیدت مند کے قلم سے نکلا ہے لیکن عقیدت ومحبت کی مینا کاری اور جذباتی لفاظی کی سحر آفرینی سے یکسر پاک ہے، پورا مضمون گو واقعیت کے وقار واعتبار کا مظہر اور توازن وسنجیدگی کا آئینہ دار ہے، لیکن اخلاص ومحبت میں ڈوب کر بربط دل سے جو آواز نکلی ہے وہ صفحۂ قرطاس پر پھیل کر ایسا آبگینہ ہو گئی ہے جسکی آب وتاب سے دلوں میں اجالے کی کرن چمک اٹھتی ہے حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی صاحب دل کسی دوسرے صاحب دل کے حالات وواقعات کو اپنا موضوع سخن بناتا ہے تو ہزار سادگی کے باوجود اس میں شیاما کے گداز کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور پڑھنے والے کو وارفتگی کی وہی لذت حاصل ہوتی ہے جو صاحب دلوں کو مثنوی مولانا روم جیسی کیف آور کیفیت انگیز چیزوں سے حاصل ہوتی ہے۔

مفتی صاحبؒ سے متعلق یہ ایک تحریر اگرچہ مختلف حیثیتوں اور پہلوؤں کی جامع ہے لیکن ان کی علمی عظمت وعلو شان اور ذاتی اوصاف وکمالات کسی مستقل نمبر کی کے متقاضی ہیں۔ اس موقعہ پر شدت سے یہ احساس ہوا کہ اہل قلم عموماً ان ہی لوگوں کے کارناموں کو زیادہ اجاگر کرتے ہیں۔ جو خود بھی صاحب قلم رہے ہوں، اور کچھ تصنیفی ذخائر یادگار چھوڑے ہوں، رہے وہ لوگ جنہوں نے تصنیفی، صحافتی میدان میں اپنی صلاحیتوں کو اجاگر نہیں کیا اور دینی وملی ضرورت ومصلحت کی بنیاد پر دوسری علمی خدمات کی انجام دہی میں مصروف تگ وتاز رہے تو ایسے لوگوں نے خواہ کتنے ہی اہم اور مفید وعظیم الشان کارنامے انجام دیئے ہوں، ارباب قلم ان کو اجاگر کرنے میں چنداں دلچسپی نہیں لیتے، ورنہ علمی سطوت اور شان وشکوہ کے اعتبار سے مفتی صاحب علیہ الرحمہ کا وزن بھی کچھ کم نہ تھا۔

قاضی صاحبؒ سے متعلق ۶ مضامین ہیں جن میں انکی شخصیت کے رنگا رنگ جلوؤں اور گوناگوں پہلوؤں کو تحقیق کے اجالے دکھائے گئے ہیں۔ ان کی طالب علمانہ زندگی، مطالعہ کا ذوق وشوق، ناساعد حالات سے نبرد آزمائی صبر ورضا، توکل وقناعت ایثار واخلاص زہد واستغنا، بلند ہمتی اولوالعزمی، کریمانہ اخلاق، تواضع، کسر نفسی، خورد نوازی، خزف ریزوں کو جوڑ جوڑ کر آئینہ سازی کی مہارت، سنگ خارا سے آئینہ تراشنے کی مردانہ صلاحیت، بحر تحقیق کی غواصی اور صدف کے سینوں میں چھپے ہوئے موتیوں کا انکشاف ان کے وہ اوصاف وکمالات ہیں جن میں تقریباً ہر مضمون میں مختلف انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے، جس سے مضامین میں گو کہ تکرار پیدا ہو گئی ہے لیکن اسکی حیثیت تذکیر کی ہے۔

پہلا مضمون اسیر ادروی کا ہے جو ادبی لطافت ورعنائی اور پیرایۂ اظہار وبیان کی دلکشی وشگفتگی کا اعلیٰ نمونہ ہونے کے ساتھ ساتھ ان تمام معلومات کا ایک مرتب گلدستہ بھی ہے۔ جو دوسرے مضامین میں جستہ جستہ پیش کئے گئے

ہیں البتہ مضمون میں جہد مسلسل کی داستان کے عنوان سے مدارس کے ماحول اور وہاں کی تعلیمی زندگی کی جو تصویر پیش کی گئی ہے وہ واقعیت کے اس احساس کو مجروح و مخدوش کرتی ہے جو پورے مضمون کے مطالعہ کے دوران قائم رہتا ہے۔ ویسے پورا مضمون قاضی صاحب کے اوصاف حمیدہ اور اسیر ادروی کے اسلوب جمیل کی بدولت ؛

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا۔ کا مصداق ہو گیا ہے۔ دوسرا مضمون مولانا شمس تبریز صاحب کا ہے جو اتنا ہی وقیع و پرکار اور مرقع نگاری کا بہترین شاہکار ہے یہ مضمون گو چنداں طویل نہیں لیکن اسکو پڑھ کر قاضی صاحب مرحوم کی علمی عظمت اور تحقیقی کمالات کا ایسا دلکش نقش دلوں میں ابھرتا ہے کہ فضل و کمال جس کے آگے تہیدست معلوم ہوتے ہیں۔

تیسرا مضمون مولانا ظفر احمد صدیقی کا ہے جو بقول ان کے ایک خوردسال عقیدت کیش کا طالب علمانہ خراج عقیدت ہے، لیکن جو خراج عقیدت بڑے بڑوں کے تصنیفی کارناموں کے استخفاف کے حوالے سے پیش کیا گیا ہو، معلوم نہیں قاضی صاحب مرحوم کی شریف النفسی کے نزدیک وہ قابل قبول بھی ہوگا یا نہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

"یقین ہے کہ ایک صاحب بصیرت اور باشعور قاری کی طرح اپنے پیشرو مصنفین کے اسلوب نگارش اور انداز تحریر سے متاثر ہوئے ہوں گے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انہوں نے کسی خاص مصنف یا کسی خاص تصنیف کو سامنے رکھ کر اس کا چربہ اتارنے کی کوشش ہرگز نہیں کی۔ . . . . . .

اس بیان کی صداقت کا اندازہ لگانے کیلئے مولانا سعید احمد اکبرآبادی کی محققانہ اور گراں مایہ تصنیف۔ صدیق اکبر کا مطالعہ علامہ شبلی کی الفاروق کو سامنے رکھ کر کرنا چاہیے اگرچہ مولینا اکبرآبادی نے الفاروق اور اس کے مصنف کا کہیں حوالہ نہیں دیا ہے لیکن پھر بھی صاف محسوس ہوتا ہے کہ صدیق اکبر الفاروق کا نقش ہے۔

یہ اسلوب بظاہر اپنے وسعت مطالعہ کے ادعا و اظہار کا غماز ہے جو کسی صاحب علم و قلم کے ظرف و وقار سے گری ہوئی بات ہے کچھ اسی طرح کا شکوہ وہاں بھی سامنے آتا ہے۔ جہاں صاحب مضمون نے علمی مراکز سے وابستہ لوگوں کی سُست پر تازیانے برسائے ہیں، وہ لکھتے ہیں۔

نامساعد حالات، ناسازگار ماحول اور بے سروسامانی کے باوجود انہوں نے جو بلند پایہ علمی کارنامے انجام دیئے ہیں وہ تحقیقی و تصنیفی اداروں کے ان ارکان اور بڑے بڑے مراکز علمی کے ان وابستگان کے لئے تازیانۂ عبرت ہیں جو وادی غیر ذی زرع کی علمی تعمیر ہیں یعنی ایک مدت سے ان کا قلم خشک اور کشت زار علم ویران ہے۔

یہ بات فہم سے بالاتر معلوم ہوتی ہے کہ قاضی صاحب مرحوم کے اوصاف و کمالات کو اجاگر کرنا ہی مقصود تھا تو اس کیلئے علم و تحقیق کی کوچہ گردی کرنے والے دوسرے افراد پر تازیانوں کی یہ بارش ضروری کیوں قرار پائی۔ بہرحال یہ مضمون اپنے اس اسلوب کی بنا پر پرچے کے علمی وقار و جمال کو متاثر کرتا ہے ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اسے ترتیب میں مولانا شمس تبریز صاحب کے افادات مضمون کے متصلاً بعد ہی جگہ دی گئی ہے جس سے علمی خوش مذاقی میں اچانک بے کیفی کا احساس عجیب سا لگتا ہے۔

مولانا اعجاز صاحب اور مولانا نور عالم صاحب کے مضامین بھی سلجھی ہوئی فکر کا پتہ دیتے ہیں اور قاضی صاحب مرحوم کے علمی کمالات کا تعارف اس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ پڑھنے والا ان کی شخصیت کا گرویدہ بھی ہوتا جائے اور علمی کارنامے انجام دینے کا حوصلہ اور داعیہ بھی اس میں پیدا ہوتا جائے۔

حضرت مولانا زین العابدین مدظلہ نے تدوین سیر و مغازی کا تعارف جس انداز سے پیش کیا ہے وہ ان ہی کا کام ہے۔ حق یہ ہے کہ اس انداز تعارف سے

موضوع کی اہمیت وعظمت بھی واضح ہوتی جاتی ہے اور صاحب کتاب کی تحقیقی کاوشوں کا بھی خوب خوب اندازہ ہوتا جاتا ہے۔

آخر میں قاضی صاحب مرحوم کے لائق وفائق صاحبزادے نے ان کے علمی کارناموں کی فہرست بھی پیش کردی ہے اور دیوان کا مختصر تعارف بھی دیدیا ہے جس سے تحقیقی کام کرنے والوں کو کافی مدد مل سکتی ہے۔ فی الجملہ یہ نمبر علمی وتحقیقی اعتبار سے ہر طرح قابل قدر ومطالعہ ہے۔

بقیہ: رپورٹ اجلاس عام "کلیۃ البنات"۔

۲۷ راکتوبر ۱۹۹۶ء کی مصروفیات کا آغاز محترمہ افشاں صاحبہ فلاحی کے درس حدیث سے ہوا۔ اس کے بعد مہمان خصوصی، امیر حلقہ خواتین جماعت اسلامی ہند اترپردیش، محترمہ طیبہ ام مسعود صاحبہ نے مبسوط خطاب فرمایا۔ موصوفہ نے اپنی تقریر میں بتایا کہ "فی الحال واعظین ومقررین کی کمی نہیں۔ کمی ہے تو صرف کردار وعمل کی اور جب تک ہمارے کردار وعمل میں صحابیات وتابعیات کی جھلک نہیں آئے گی، اس وقت تک معاشرہ میں کسی مثبت تبدیلی کا امکان نہیں ہے۔

آخر شب ۲۷ راکتوبر ۱۹۹۶ء کو مختلف تجاویز، مشوروں اور تاثرات کے ہجوم میں اجلاس کا اختتام بخیر وخوبی ہوا۔ اللہ تعالیٰ اجلاس کی خیرات وبرکات کو دیرپا فرمائے۔

رپورٹ اجلاس عام "کلیۃ البنات"

نائب طیبہ فلاحی

انجمن طالبات قدیم کا پہلا اجلاس عام ۲۵ راکتوبر ۱۹۹۶ء سے ۲۷ راکتوبر تک، ادارہ علمی میں جاری رہا۔ ۲۴ر کی صبح ہی سے کلیۃ البنات کے بام ودر اپنے معزز مہمانوں کے استقبال میں دیدہ ودل فرش راہ کئے ہوئے تھے۔ سفر کی مشقتوں اور صعوبتوں کو برداشت کرتے ہوئے فارغات کی ایک بڑی تعداد نے جامعہ تشریف لاکر، ادارہ سے بے نظیر قلبی تعلق اور لگاؤ کا ثبوت دیا تھا۔

۲۵ راکتوبر کی صبح جمعیۃ الطالبات کے تعلیمی مظاہرے کا آغاز زیر نگرانی محترمہ آسیہ فلاحی صاحبہ، ساجدہ عابدی کی پرسوز قرأت سے ہوا۔ عزالہ تسنیم متعلمہ فاضلہ آخری کے موثر درس قرآن کے بعد، انجم سراج متعلمہ فاضلہ آخری نے بہت ہی جامع اور مختصر درس حدیث دیا۔ اس کے بعد متعدد چھوٹی بڑی طالبات نے، اردو، ہندی، عربی اور انگریزی زبانوں میں تقریریں کیں اور نظمیں پڑھیں۔ پروگرام کے آخر میں ___ محترمہ کلثوم سلمہا نے ایک منظوم ڈرامہ چھوٹی بچیوں کے ذریعہ اسٹیج کیا جسے لوگوں نے کافی پسند کیا۔

تعلیمی مظاہرہ کے بعد، دارالاقامہ صفیہ منزل کا افتتاح ہوا۔ سب سے پہلے مولانا محمد عنایت اللہ صاحب سبحانی نے خطبۂ استقبالیہ پڑھا آپ نے اپنے خطبہ میں خواتین وبچیوں کی تعلیم وتربیت کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالی اور دعوت واصلاح کے مختلف ادوار میں خواتین کے غیر معمولی رول کا ذکر کیا۔ آپ کے بعد امیر جماعت اسلامی ہند مولانا محمد سراج الحسن صاحب نے مجمع کو خطاب کیا۔ آپ نے اپنے خطاب میں تعمیرات اور دیگر سہولتوں کی ضرورت واہمیت

کو تسلیم کیا لیکن بتایا کہ اصل اہمیت جذبہ، لگن اور کاز کی ہے۔ دیکھا یہ جائے کہ آپ نے جس مقصد کیلئے یہ کام کیا ہے وہ ہو رہا ہے یا نہیں۔

بعد ازاں محترم علامہ یوسف القرضاوی صاحب کا وہ پیغام جو آپ نے جامعۃ الفلاح کے فارغین و فارغات کے نام ارسال کیا تھا اسے سنایا گیا جسکی رواں ترجمانی استاذ محترم مولانا عبدالحسیب صاحب اصلاحی نے کی۔ اس کے بعد ذمہ داران جامعہ، معزز مہمانان، اساتذۂ کرام جامعہ سے فارغ ہونے والے فضلاء اور حفاظ و قراء، دارالاقامہ صفیہ منزل کی جانب چلے اور امیر جماعت کے مبارک ہاتھوں نعرۂ تکبیر کی فضا میں اس دارالاقامہ کا افتتاح ہوا

۲۶ اکتوبر کی مصروفیتوں کا آغاز محترمہ نورالصباح صاحبہ فلاحی کے درس قرآن سے ہوا۔ اس کے بعد محترمہ ہیڈ معلمہ جامعہ قانتہ صاحبہ صالحاتی نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا جس میں حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے، علم دین کی اہمیت اور عالمات کی خدمات پر آپ نے اجمالی روشنی ڈالی۔

خطبۂ استقبالیہ کے بعد ناظمہ اجلاس محترمہ ساجدہ صاحبہ فلاحی نے افتتاحی کلمات پیش فرمایا۔ اسکے بعد اس اجلاس کا سب سے قیمتی اور اہم سیشن یعنی "تعمیر معاشرہ اور مسلم خواتین" کے عنوان پر علمی سیمینار کا آغاز ہوا۔

اس سیمینار کا پہلا سیشن۔ ڈاکٹر انجمن آرا انجم کی صدارت میں آٹھ بجے صبح شروع ہوا۔ اس کی کنوینر محترمہ شبانہ خورشید صاحبہ تھیں۔ سب سے پہلا مقالہ سابق ہیڈ معلمہ شگفتہ وقار صاحبہ نے بعنوان "تعمیر معاشرہ اور فارغات" پیش کیا۔ دوسرا مقالہ محترمہ فاطمہ جلیل فلاحی صاحبہ نے بعنوان "تربیت اطفال اور خواتین" پیش کیا تیسرا مقالہ خورشید جبین عثمانی فلاحی صاحبہ (ریسرچ اسکالر علیگڑھ) نے بعنوان "دور جدید اور مسلم خواتین کی ذمہ داریاں" پیش کیا۔ چوتھا مقالہ محترمہ سلمیٰ جلیل صالحاتی معلمہ جامعہ نے بعنوان "تعمیر ملت اور خواتین" کے پیش کرتے ہوئے بتایا کہ "تعمیر ملت کا ایک ہی راستہ

ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے ایمان و عمل کی سچی دعوت خلوص دل، دلسوزی، اور خیر خواہی کے جذبات کے ساتھ دی جائے۔ جذباتی، ہنگامی اور وقتی کاموں کے ذریعہ ملت کی تعمیر کا کام انجام نہیں پا سکتا۔

سیمینار کی دوسری نشست کا آغاز دو بجے سے شروع ہوا جسکی صدارت محترمہ شہناز بیگم دربھنگہ کے حاضر ہونے کی بنا پر محترمہ انجمن آرا انجم صاحبہ ہی نے کی۔ پہلا مقالہ ڈاکٹر انجمن آرا انجم صاحبہ نے پیش کیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر تنویرہ فاطمہ ایودھیا نے بعنوان "تحریک اسلامی اور خواتین" اپنا مقالہ پیش کیا۔ اس کے بعد ہیڈ معلمہ محترمہ قانتہ صالحاتی صاحبہ نے اپنا مقالہ بعنوان "تعلیم نسواں اور مسائل" پیش کرتے ہوئے بتایا کہ "موجودہ زمانے میں جب کہ علم کے نام پر مغرب کی تباہ کاریاں اور مکر و فریب سے پورا عالم واقف ہو چکا ہے شدید ضرورت ہے کہ اسلام کا تصور تعلیم اور اسلام میں عورت کے مقام سے دنیا کو آگاہ کیا جائے۔ اور عملی طور سے مسلم خواتین کی تعلیم و تربیت کے بہترین انتظامات کئے جائیں۔ تاکہ اسلام کے فروغ کا کام جو وقت کی اہم ضرورت ہے آسان ہو۔ اور اسلام کی حقانیت و صداقت کا اعتراف کیا جا سکے۔" آخر میں ڈاکٹر صفوت ریحانہ صالحاتی صاحبہ نے اپنا مقالہ پیش کیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر انجمن آرا انجم صاحبہ نے افادیت سے بھرا ہوا سیر حاصل تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ آرٹ کی دنیا میں اس وقت بڑا زور ہے سائنس کا کمپیوٹر کا۔ مسلم خواتین کیوں پیچھے رہیں۔ ان کے پاس خدا کا شکر ہے۔ استعداد ہے، صلاحیت ہے۔ جذبہ ہے آگے بڑھنے کی قوت و طاقت ہے۔ ہم دنیا کے اصول جو بابرکت اور جائز ہیں اس میں کیوں پیچھے رہیں۔ مسلمان خواتین کا خیال ہے پردہ ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ حالانکہ یہ انکا احساس کمتری ہے اسلام نے جو پردہ بتایا ہے اسمیں عورت ہر وہ کام کر سکتی ہے جو جائز ہے۔ اس کی کنوینر ام حبیبہ فلاحی صاحبہ تھیں۔

بقیہ صفحہ ۳۲ پر

(ادارہ)

جامعہ کے لیل و نہار

ذمہ داران جامعہ کا انتخاب

جامعہ کا نظر ثانی شدہ دستور، مجلس انتظامیہ منعقدہ ۸/۹ رشعبان المعظم ۱۴۲۶ھ کے مطابق ۲۴ شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ سے نافذ کر دیا گیا ہے۔ اس دستور کے مطابق مندرجہ ذیل ذمہ داران کا انتخاب عمل میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان نو منتخب ذمہ داران کو اپنے فرائض حسن و خوبی انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

شیخ الجامعہ: جناب مولانا سید جلال الدین صاحب عمری

ناظم جامعہ: جناب ڈاکٹر خلیل احمد صاحب

نائب ناظم جامعہ: جناب مولانا ابوالبقاء صاحب ندوی

معتمد مال: جناب شیخ منیر احمد صاحب

مہتمم تعلیم و تربیت: جناب مولانا عبدالحسیب صاحب اصلاحی

صدر شعبہ اعلیٰ (طلبہ): جناب مولانا محمد طاہر صاحب عمری مدنی

ہیڈ شعبہ ثانوی: جناب ماسٹر مسعود احمد صاحب

ہیڈ شعبہ ابتدائی: جناب حافظ ارشاد احمد صاحب

ہیڈ معلمہ شعبہ اعلیٰ (طالبات): محترمہ قانتہ صالحاتی صاحبہ

ہیڈ شعبہ ثانوی: محترمہ رضیہ سلطانہ صاحبہ

ہیڈ شعبہ ابتدائی: محترمہ طلعت جہاں صاحبہ

جناب مولانا رحمت اللہ اثری صاحب فلاحی کو نگران اعلیٰ منتخب کیا گیا نیز موصوف مہتمم تعلیم و تربیت کی معاونت کریں گے۔

شعبہ داخلہ و امتحانات کے ذمہ دار مولانا محمد سلامت اللہ صاحب اصلاحی مدنی بنائے گئے ہیں۔

روداد انجمن

انیس احمد فلاحی مدنی

۶ر ادبہ ر شعبان ۱۴۲۶ھ کو انجمن کی شوریٰ کا اجلاس ہوا جس میں مولانا رحمت اللہ اثری صاحب فلاحی، مولانا نسیم احمد غازی صاحب فلاحی، مولانا نور محمد صاحب فلاحی، مولانا مقبول احمد صاحب فلاحی، محترم محبوب عالم فلاحی صاحب، محترم اظہار احمد صاحب فلاحی، محترم ابوذر صاحب فلاحی، محترم عبدالعظیم صاحب فلاحی، محترم انیس احمد صاحب فلاحی، ممبران شوریٰ کے علاوہ بحیثیت مشاہد محترم عبدالمبین صاحب فلاحی شریک ہوئے۔

مولانا ابوالمکارم صاحب فلاحی، محترم عبیداللہ فہد صاحب فلاحی، محترم عبدالعزیز سلفی صاحب فلاحی، محترم مشرف حسین صاحب فلاحی، محترم جاوید اشرف صاحب فلاحی، محترم عبدالبر اثری صاحب فلاحی، محترم ابراہیم علی حسن صاحب فلاحی شریک نہ ہو سکے۔ مؤخرالذکر تینوں ارکان کی جانب سے کوئی اطلاع نہ مل سکی البتہ ان کے علاوہ بقیہ ارکان کی جانب سے معذرت نامے اور ایجنڈے کے نکات پر بعض اہم اور مفید تجاویز و مشورے موصول ہوئے۔

حافظ ابوذر صاحب فلاحی کی تلاوت کلام پاک کے بعد پچھلی کارروائی کی خواندگی ہوئی اور پھر اجلاس عام کا تفصیلی جائزہ لیا گیا۔ اس کے بعد حیات نو کے انتظامی اور معنوی امور زیر بحث آئے اور درج ذیل فیصلے کیے گئے۔

(الف) اداری امور میں غلطی سے جو تبدیلی آگئی تھی، حسب فیصلہ اجلاس شوریٰ منعقدہ ۲۰ر ادر ۲ ستمبر ۱۹۹۱ء اس کی تصحیح کر دی گئی۔

(ب) حیات نو کے مدیر کے سلسلے میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ ایک مستقل اور ہمہ وقتی فلاحی مدیر کی فراہمی کی کوشش کی جائے اور جب تک کوئی مستقل اور ہمہ وقتی فلاحی مدیر

فراہم نہیں ہو پاتا ہے اس وقت تک یہ پرچہ مولانا نور محمد صاحب فلاحی کے زیر ادارت، انیس احمد فلاحی مدنی کے تعاون سے نکلتا ہے۔

(ج) حیات نو کی توسیع و اشاعت کے سلسلہ میں یہ طے پایا کہ تمام ہی فلاحیوں اور فلاحیات کے ساتھ ساتھ طلبہ کے سرپرستوں کے پاس بھی خط لکھے جائیں اور انہیں حیات نو کا خریدار بنانے کی کوشش کی جائے۔

جیب کے سلسلہ میں یہ بات طے پائی کہ اس کے مستقل ذمہ دار محترم محبوب عالم صاحب فلاحی ہونگے اور آپ صدر انجمن اور خازن کے مشورے سے کام کریں گے نیز یہ بات بھی طے پائی کہ جیب کی خریداری کے اصل مقصد یعنی قرب و جوار کی بستیوں سے ربط رکھنے اور ان میں اصلاح معاشرہ کی کوششوں کے سلسلہ میں تفصیلی لائحہ عمل سکریٹری انجمن مولانا نور محمد صاحب فلاحی صدر انجمن کے مشورہ سے مرتب کرلیں۔

"جائزہ الامام جلیل احسن اصلاحی" کی تقسیم کی ذمہ داری مولانا اظہار احمد صاحب فلاحی پر اور چھٹے اجلاس عام کی ویڈیو کیسٹ آڈٹ کرنے کی ذمہ داری محترم صباح الدین صاحب فلاحی پر ڈالی گئی ہے۔

دہلی یونٹ انجمن طلبہ قدیم دہلی یونٹ کی تنظیمی نشست ۱۶ رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ کو زیر صدارت مولانا ابوالمکارم صاحب فلاحی، رکن مرکزی مجلس شوریٰ منعقد ہوئی۔ اتفاق رائے سے موصوف نئی میقات کے صدر منتخب کئے گئے۔

ڈاکٹر عبدالباری صاحب فلاحی سکریٹری، ابو عمیر منظر صاحب فلاحی کوآرڈینیٹر، عبدالرحمن صاحب فلاحی، عبید الرحمن صاحب فلاحی، اور نسیم الرحمن صاحب فلاحی، وحید الیاس صاحب فلاحی بالترتیب جوائنٹ سکریٹری برائے ہمدرد، جواہرلال نہرو یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ منتخب ہوئے۔

بعدازاں محترم نومنتخب صدر نے آپس میں تعاون اور ربط رکھنے کی تلقین فرمائی۔ آخر میں شیخ الجامعہ مولانا جلال الدین عمری صاحب نے اپنی بے پایاں مسرت کے اظہار کے ساتھ ساتھ فلاحی برادری کو ربط میں رہنے نیز اپنے اپنے میدان علم و عمل کی جانکاری فراہم کرنے کا اشتیاق ظاہر کیا تاکہ انکی صلاحیتوں کو مزید اجاگر کرکے انہیں ملک و ملت کی خدمت کے لئے تیار کیا جاسکے۔

اس نشست میں نائب ناظم جامعۃ الفلاح مولانا ابوالبقاء صاحب ندوی، محترم اشفاق احمد صاحب رکن مجلس تعلیمی جامعہ، سفراء جامعہ، ارکان مرکزی مجلس شوریٰ انجمن طلبہ قدیم محترم مشرف حسین صاحب صدیقی فلاحی محترم عبدالعزیز سلفی صاحب فلاحی، محترم عبدالبر اثری صاحب فلاحی کے علاوہ فلاحی برادری کی ایک بڑی تعداد (تقریباً ۸۰) شریک رہی۔ دوران نشست افطار و طعام کا انتظام تھا۔ پورے پروگرام کے دوران الفت و محبت یگانگت و اتحاد کی روح پرور فضا برقرار رہی۔

غزل

ایم۔ اے۔ شمسی دوگھروی

دل میں بسا ہوا ہے جو دلدار کی طرح
ہر موڑ پر وہ ملتا ہے دیوار کی طرح

ہنس ہنس کے طنز کرتا ہے جو میری ذات پہ
عنوان وہ بدلتا ہے اخبار کی طرح

دنیا کی گردشیں نہ مجھے روک پائینگی
بڑھتا رہونگا وقت کی رفتار کی طرح

دولت کی جستجو ہے نہ شہرت کی آرزو
بس نام ہو مرا کسی فنکار کی طرح

بے کیف زندگی کی المناک الجھنیں
سر پر لٹکتی رہتی ہیں تلوار کی طرح

شمسی نہ کر دراز کبھی دست التجا
دو چار دن ہی جی مگر خوددار کی طرح